المَال و الجَاہ

(حقیقت عزت ومال)

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۱	خطبۂ ماثورہ	۷
۲	منافقین کے بارے میں حکم	۸
۳	ترجمہ قرآن پڑھنے کا طریقہ	۸
۴	بغیر استاذ ترجمۂ قرآن پڑھنے کا نقصان	۹
۵	سوال کی تنقیح کے بغیر جواب دینے کا نقصان	۱۰
۶	صلحاء کی نظر کا کمال	۱۱
۷	عورتوں کے مسجد جانے کی ممانعت	۱۱
۸	مسائلِ دینیہ میں علماء ہی کی رائے معتبر ہے	۱۲
۹	صرف ترجمہ خواں کی رائے کا اعتبار نہیں	۱۳
۱۰	سائلین کو جواب دینے کا ضابطہ	۱۳
۱۱	عوام کو ترجمہ پڑھنے سے روکنے کی وجہ	۱۴
۱۲	منافق کی تعریف	۱۵
۱۳	منافقین کی غزوات میں شرکت	۱۵
۱۴	عرب بدوؤں کی ایک خوبی	۱۶
۱۵	محدّثین کے قوت حافظہ کی نظیر	۱۷
۱۶	اہلِ عرب میں غصہ کا علاج	۱۹

۱۷	رئیس المنافقین کا حضور ﷺ سے حسد	۱۹
۱۸	حضور ﷺ کا کفار کو جواب	۲۰
۱۹	علم کی حقیقت	۲۱
۲۰	حضور ﷺ کی سرداری	۲۲
۲۱	آیت میں مذکورہ قصہ کی تفصیل	۲۲
۲۲	حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی راستگوئی کی تصدیق	۲۳
۲۳	قرآنِ کریم میں مذکور قصص کا مقصد	۲۴
۲۴	انتخاب مضمون کی وجہ	۲۵
۲۵	ایک اختلافی مسئلہ	۲۵
۲۶	علماء پر الزام	۲۶
۲۷	علوم دینیہ اور علوم دنیویہ کی تقسیم	۲۶
۲۸	تحصیل علم دین میں لوگوں کا معیار	۲۷
۲۹	تعلیم قرآن سے بے توجہی	۲۸
۳۰	اندیشہ انجام بد	۲۹
۳۱	علماء کافر بتاتے ہیں بناتے نہیں	۳۰
۳۲	احکام اسلام سے لوگوں کی لاتعلقی	۳۱
۳۳	قومیت کا بھوت	۳۱
۳۴	جو کمیٹی خلافِ اسلام کام کرے اس کا ممبر نہ بنے	۳۲
۳۵	کیا اسلام مانع ترقی ہے؟	۳۲
۳۶	جدّت پسندوں کو اسلام سے توحش کی وجہ	۳۳

۳۷	جدّت پسندوں کی ایک خواہش	۳۴
۳۸	مقصودِ بیان	۳۴
۳۹	دنیا کی تعریف وحقیقت	۳۵
۴۰	مال کی محبوبیت	۳۵
۴۱	مال کا ناپسندیدہ درجہ	۳۶
۴۲	عزت کا پسندیدہ وناپسندیدہ درجہ	۳۷
۴۳	آیت سے ماخوذ چار مسئلے	۳۸
۴۴	حقیقت مال وجاہ	۳۸
۴۵	حبّ مال اور حبّ جاہ کی برائی	۴۰
۴۶	قرائن کی وجہ سے ترکِ قیود درست ہے	۴۰
۴۷	حبِ دنیا کی برائی	۴۲
۴۸	بناوٹی بزرگ	۴۳
۴۹	حقیقی بزرگ	۴۳
۵۰	ترکِ دنیا کا فائدہ	۴۴
۵۱	حبّ دنیا کے درجات	۴۵
۵۲	حبّ دنیا کا ناپسندیدہ درجہ	۴۶
۵۳	اللہ اور رسول ﷺ سے محبت کا درجہ مطلوب	۴۷
۵۴	محبت کا مقتضٰی	۴۸
۵۵	حضور ﷺ کی محبت کا مقتضٰی	۴۹

۵۶	حبّ دنیا کی پہچان	۵۰
۵۷	حرام مال کمانے کی بے جا تاویل	۵۱
۵۸	حکایت	۵۲
۵۹	اخباری مضامین	۵۲
۶۰	ضروریاتِ زندگی کا معیار	۵۳
۶۱	دنیا کو ترجیح دینا کسی صورت درست نہیں	۵۵
۶۲	اخراجات میں کمی کیجئے	۵۵
۶۳	فیشن کی چیزوں میں خودغرضی ہے	۵۶
۶۴	صحبت نیک اور علم دین کی ضرورت	۵۷
۶۵	احبیت دنیا پر وعید	۵۷
۶۶	غیر مسلم کو کلیدی عہدہ نہ دیا جائے	۵۸
۶۷	مسلمانوں کی دنیاوی ترقی کے طریقے	۵۹
۶۸	تفسیری نکات	۵۹
۶۹	مسلمان اور اہل سائنس میں فرق	۶۰
۷۰	مسلمانوں کے غالب ہونے کی شرط	۶۱
۷۱	مال اور جاہ کی غرض	۶۲
۷۲	خلاصۂ وعظ	۶۳

وعظ

المَال والجَاہ

(حقیقت عزت ومال)

مال وعزت کی حقیقت واضح کرنے کے لئے حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے یہ وعظ الٰہ آباد میں جناب عبدالباقی خان صاحب کے باغیچہ میں ۱۱ صفر الخیر ۱۳۳۱ کو تین گھنٹے بیس منٹ کھڑے ہوکر ارشاد فرمایا۔

مولوی سعید احمد تھانویؒ صاحب نے اسے ضبط فرمایا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبۂ ماثورہ

الحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہٗ ونستغفرہٗ و نؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریك لہ ونشھد ان محمدًا عبدہ ورسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ الٰہ واصحابہ و بارك وسلم **اما بعد** : فاعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم: ﴿ھُمُ الَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰی مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ حَتّٰی یَنْفَضُّوْا وَ لِلّٰہِ خَزَائِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلٰکِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَا یَفْقَھُوْنَ یَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَی الْمَدِیْنَۃِ لَیُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْھَا الْاَذَلَّ وَلِلّٰہِ الْعِزَّۃُ وَلِرَسُوْلِہٖ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَلٰکِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ﴾ (۱)

''یعنی یہ منافقین وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ رسولِ خدا ﷺ کے پاس جو لوگ جمع ہیں ان پر کچھ خرچ مت کرو یہاں تک کہ یہ آپ منتشر ہوجائیں گے خدا تعالیٰ ہی کے ہیں سب خزانے آسمانوں کے اور زمین کے لیکن منافقین سمجھتے نہیں ہیں۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر ہم مدینہ میں لوٹ کر جائیں گے تو عزت والا وہاں سے ذلت والے کو باہر نکال دیگا۔ اللہ ہی کی ہے عزت اور اس کے رسول ﷺ کی اور مسلمانوں کی لیکن منافقین جانتے نہیں''۔

(۱) سورۂ منافقون: ۷۔۸۔

منافقین کے بارے میں حکم

حضرات یہ آیتیں ہیں سورۂ منافقون کی اس میں حق سبحانہ وتعالیٰ نے بعض اقوال منافقین کے بیان فرمائے ہیں اور یہ فرقہ منافقین کا یعنی ان کا حکم اس وقت باقی نہیں رہا اور اس وقت تو کیا خود حضور ﷺ کے زمانے کے بعد ہی یہ نفاق جو اصطلاح شرعی میں ہے رفع (۱) ہوگیا تھا مگر نفاق بمعنی عدم اتفاق یا بمعنی مطلق ظاہر کا خلافِ باطن (۲) ہونا موجود ہے مگر اس محاورہ کو چھوڑ دینا چاہئیے کیوں کہ اس وقت قرآن مجید کے ترجمے چھپ گئے ہیں اور لوگ دیکھتے ہیں اور اس میں کامیابی ہونا مشکل ہے کہ لوگ ترجمہ دیکھنا چھوڑ دیں۔

ترجمہ قرآن پڑھنے کا طریقہ

اور اس وقت بھی اس مضمون سے کہ ترجمہ نہ دیکھیں شاید وحشت ہوتی ہو مگر بات یہ ہے کہ ان امور میں تجربہ کو زیادہ دخل ہے اور تجربہ ان امور کا اہل علم کو زیادہ ہے تو میں چونکہ ان واقعات کو شب و روز دیکھتا ہوں اس لئے میں بارہا کہہ چکا ہوں اور اب بھی کہتا ہوں کہ ترجمہ اگر دیکھنے کو جی چاہے تو اس کی صورت صرف یہ ہونی چاہیئے کہ کسی عالم سے اُس کو حاصل کیا جائے چنانچہ ہر فن کے ساتھ ایسا ہی عمل کیا جاتا ہے تو علم تفسیر بھی بغیر کسی عالم سے حاصل کئے نہیں آسکتا تو غرض یہ ہے کہ اگر اول ترجمہ کسی عالم سے پڑھ لے اور پھر دوسری تفاسیر دیکھے تو غلطیوں سے بچ سکتا ہے اور اگر اول ہی سے ترجمہ دیکھے گا اور کسی عالم سے نہ پڑھے گا تو اس کو مواقع مشتبہ کی تعیین (۳) ہی میں سخت دقت ہوگی کیونکہ مبادی (۴)

(۱) شریعت کی اصطلاح میں جس کو نفاق کہتے ہیں (یعنی اپنے کو مسلمان کہتا ہو اور دل سے مسلمان نہ ہوں) باقی نہیں رہا تھا (۲) نفاق اس معنی کے اعتبار سے کہ ظاہر باطن کے خلاف ہو آج بھی ہے (۳) قرآنی آیات کے ایسے مواقع کو متعین کرنے میں جہاں شبہہ پیدا ہوتا ہے مشکل ہوگی (۴) ابتدائی باتیں جن پر علوم کا جاننا موقوف ہوتا ہے۔

اور اصول کا اس کو علم نہیں اور اگر ہوگا تو بے موقع ہوگا' اسی لئے اگر ترجمہ پڑھے بھی تو کسی متبحر عالم(۱) سے پڑھے صرف عربی جاننے والے سے پڑھنا بھی کافی نہیں اور متبحر عالم سے بھی سبقاً سبقاً پڑھے پھر انہی سے پوچھے کہ میرا فہم قرآن شریف کے مضامین کا متحمل (۲) ہے یا نہیں۔ اگر وہ متحمل بتلاویں تو خیر ورنہ چند روز کے لئے چھوڑ دیا جائے اور پھر علماء سے مبادی اور اصول کو حاصل کرے اور پھر اس کے بعد ترجمہ پڑھے تو قرآن مجید کا ترجمہ دیکھنے کے متعلق یہ تفصیل ہے تو اگر دیکھا جاوے تو اس طرح دیکھیں لیکن ممکن ہے کہ اس پر کوئی عمل نہ کرے اور ایسا شخص اس میں منافق وغیرہ کا لفظ دیکھے جن میں لوگوں کی اصطلاحات بدل گئی ہیں تو اصطلاح بدلنے سے یہ خرابی ہوگی کہ جب آپ قرآن مجید میں دیکھیں گے کہ منافقین جہنم کے نیچے کے درجہ میں ہیں اور منافقین کے معنی آپ سمجھیں گے نااتفاقی کرنے والے تو آپ ان گنہگاروں کے لئے کیا حکم دیں گے جو کہ محض غلط ہے۔

بغیر استاذ ترجمۂ قرآن پڑھنے کا نقصان

اس پر مجھے ایک قصہ یاد آیا کہ دیوبند میں ایک معقولی (۳) طالب علم آئے میں حجرہ (۴) میں بیٹھا ہوا کچھ لکھ رہا تھا' پوچھنے لگے کیا لکھتے ہو میں نے کہا کہ تصورِ شیخ (۵) کا مسئلہ لکھ رہا ہوں تو تصورِ شیخ کا لفظ سن کر کیا کہتے ہیں کہ شیخ بوعلی سینا(۶) کا؟ انہوں نے عمر بھر سوائے بوعلی سینا کے اور کسی شیخ کا نام نہیں سنا تھا تو جہاں کہیں شیخ کا ذکر آوے گا وہ تو یہی سمجھیں گے کہ بوعلی سینا مراد ہیں۔ تو جو

---

(۱) کسی پختہ علم والے سے پڑھے (۲) میں قرآن پاک سمجھنے کی صلاحیت رکھتا ہوں کہ نہیں (۳) عقلی علوم کے طالب علم (۴) کمرے (۵) یہ تصوف کا ایک مسئلہ ہے (۶) علم عقلیات کے ماہر تھے۔

اصطلاح ذہن میں جمی ہوئی ہوتی ہے ان الفاظ کو ہر جگہ اسی پر محمول کیا جاتا ہے' اسی طرح ایسا ترجمہ دیکھنے والا شخص کرے گا' اور آجکل بڑی گلخپ (۱) کی وجہ یہ ہے کہ از خود ترجمہ دیکھتے ہیں اور شرعی اصطلاح اور اصول سے واقف نہیں ہوتے اس لئے لڑتے ہیں اور اول خود لڑتے ہیں پھر علماء کو بھی شریک کر لیتے ہیں کہ ان سے اپنے مقابل کے لئے فتوے لیتے ہیں اور اگر علماء ان کے جہل پر متنبہ ہو کر ان کی اصلاح کرتے ہیں تو یہ لوگ ان کو کہتے ہیں کہ بڑے بداخلاق ہیں حالانکہ خوش اخلاقی کی بدولت ہی یہ فتنے پیدا ہوتے ہیں۔

سوال کی تنقیح کے بغیر جواب دینے کا نقصان

مثلاً کسی نے استفتاء کیا کہ ایک شخص نے ایسا کہا تو اس کا ایمان گیا یا رہا (۲) جیسا کل ہی ایک شخص کا خط آیا ہے کہ زید نے فقہ کی فلانی کتاب کو بُرا کہا تو زید کا ایمان رہا یا گیا تو اگر میں اس خوش اخلاقی کو کام میں لاؤں جس کو وہ خوش اخلاقی سمجھتے ہیں کہ بدوں اس کے کہ ان کے سوال میں جرح قدح (۳) کروں کہ ان کی مرضی کے موافق لکھ دوں جیسا ظاہری عنوان سوال کا مقتضٰی ہے تو وہ دوسرے کو دکھلا دے گا۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ دیکھنے والے کہیں گے کہ اس کو فلانے شخص نے کافر کہہ دیا' بس یہ کافر ہے پھر اس قائل کو خبر ہوگی تو بات بڑھے گی تو خوش اخلاقی سے یہ فتنے برپا ہوئے اور عام طور پر یہی فتنے مولویوں میں پھیل رہے ہیں۔ ہمارے مولانا فرمایا کرتے تھے کہ مولوی لوگ بھی بادشاہوں سے کم نہیں جیسے ان کے یہاں پلٹن اور رسالے ہوتے ہیں اسی طرح ان کے یہاں کتابیں اور رسالے ہیں۔ غرض عوام الناس ترجمے اور کتابیں دیکھ دیکھ کر مولویوں تک میں یہ فتنے پھیلا دیتے ہیں

(۱) باہمی تکرار (۲) وہ مسلمان ہے یا کافر ہو گیا (۳) ان کے سوال کی چھان پھٹک کئے بغیر جواب لکھ دوں۔

صلحاء کی نظر کا کمال

اس لئے محققین ان کو ایسے مطالعہ سے روکتے ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ بعضے بات ظاہر میں تو معمولی ہوتی ہے مگر فساد کی جڑ ہوتی ہے۔ حکماءِ امت کو حق تعالیٰ نے ادراک (۱) ایسا عنایت فرمایا ہے کہ وہ ذرا ذرا سی بات کو سمجھ لیتے ہیں کہ نتیجہ اس کا یہ ہوگا' کہا جاتا ہے کہ جو اوروں کو آئینہ میں نظر آتا ہے اہلِ نظر کو اینٹ میں نظر آتا ہے سو ایسے مصلحین کو آج کل متعصب کہا جاتا ہے بلکہ بعض اوقات یہ لوگ ایسی چیز کو جو بظاہر عبادت ہے روکدیتے ہیں تو ان کو خشک بتلایا جاتا ہے اور چاہا جاتا ہے کہ ایسے تر ہوجاویں کہ ڈوب ہی جاویں۔

عورتوں کے مسجد جانے کی ممانعت

خیال تو فرمایئے خود حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بعضے ایسے امور کو روک دیا ہے جو کہ حضور ﷺ کے زمانہ میں ہوتے تھے مثلاً عورتوں کا مسجد میں آنا کہ نصاً ثابت (۲) ہے اور صحابہ اس کو روکتے ہیں تو بظاہر یہ نص سے معارضہ ہے مگر حکماءِ امت نے اچھی طرح اس کا راز سمجھ کر اتفاق کرلیا کسی نے سختی کے ساتھ اور کسی نے نرمی کے ساتھ' چنانچہ ہمارے امام صاحبؒ نے اس باب میں نہایت سختی فرمائی ہے کہ عجوز (۳) کو بھی مسجد میں آنیکی اجازت نہیں دیتے وہ فرماتے ہیں ''لکل ساقطة لاقطة'' ہر گری پڑی چیز کا اٹھانے والا موجود ہے یعنی ہر عورت کی طرف کوئی نہ کوئی میلان کرنے والا موجود ہے اور دوسرے علماء نے بھی اگرچہ کسی قدر نرمی کی ہو مگر اولیٰ (۴) اسی کو سمجھا ہے لیکن کسی نے اس انکار کو رد نہیں کیا۔

---

(۱) سمجھ ایسی عطا فرمائی (۲) حدیث سے ثابت ہے (۳) بڑھیا (۴) بعض علماء نے اگرچہ اس کی اجازت دی ہے لیکن افضل ان کے نزدیک بھی نہ جانا ہے۔

غرض علماء بوجہ اپنے تجربہ اور انجام بینی کے بعضے ایسے امور کو روک دیتے ہیں جو بظاہر عبادت ہے لیکن چونکہ وہ مفضی الی المعاصی (۱) ہوتے ہیں اس لئے علماء روک دیتے ہیں۔

مسائلِ دینیہ میں علماء ہی کی رائے معتبر ہے

ہاں یہ بات ضرور ہے کہ اس باب میں ہر شخص کی رائے قابلِ اعتبار نہیں ہوا کرتی۔ مثلاً اگر پارلیمنٹ کے ممبر ایک رائے تجویز کریں اور ایک دیہاتی کہے کہ میری رائے اس کے خلاف ہے تو دیکھئے کیا گت بنتی ہے اور معتبر وہی امر ہوگا جو ممبروں کی رائے ہے۔ اسی طرح دنیاوی معاملات میں وکیل کے سامنے کوئی نہیں بولتا اور اسی رائے کا اعتبار کرتا ہے جو وکیل کی رائے ہوتی ہے حتی کہ اگر اپنی سمجھ میں وکیل کی رائے نہ بھی آوے جب بھی اس کی رائے پر اعتبار کرتے ہیں اور یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم چونکہ قانون سے اچھی طرح واقف نہیں ہیں اس وجہ سے ہماری سمجھ میں نہیں آتا مگر عجیب بات ہے کہ دین میں ہر شخص اپنے کو ماہر سمجھتا ہے اور اپنی رائے کو دخل دیتا ہے اور دین میں یہ خیال نہیں ہوتا کہ چونکہ ہم اس کے اصول اور مبادی (۲) سے اچھی طرح واقف نہیں ہیں اس لئے ہماری رائے قابل اعتبار نہیں ہے اور علماء کی رائے میں دخل دینا مناسب نہیں۔

غرض ہر شخص کی رائے قابل اعتبار نہیں ہوتی جیسا اب نرا (۳) ترجمہ دیکھ کر اپنے کو اہل الرائے سمجھنے لگتے ہیں۔

---

(۱) گناہوں کی طرف پہنچانے والے ہوتے ہیں (۲) ہمیں نہ اس کے اصول پتہ ہیں نہ ابتدائی قواعد معلوم ہیں (۳) صرف ترجمہ دیکھ کر۔

صرف ترجمہ خواں کی رائے کا اعتبار نہیں

ایک صاحب نے ترجمہ یاد کیا تھا اور ایک عالم کے پوچھنے پر ﴿نَضَّاخَتَنِ﴾ کے معنی ''بہت جوش مارنے والے'' بتلائے خیر یہاں تک تو خیریت تھی۔ آگے ان عالم نے پوچھا بہت کا ہے کے (۱) معنی اور جوش مانے والے کا ہے کے معنی؟ تو آپ کیا فرماتے ہیں کہ ﴿نَضَّا﴾ کے معنی بہت اور ﴿خَتَنِ﴾ کے معنی جوش مارنے والے' تو کیا ایسوں کی بھی رائے معتبر (۲) ہوگی' البتہ جو لوگ مبادی اور اصول کے ماہر اور علومِ عربیہ سے اچھی طرح واقف اور متبحر عالم (۳) ہوں اُن کی رائے معتبر ہوگی اور دوسروں کو ایسے لوگوں کی تقلید ضروری ہوگی نہ کہ ان کے فتووں پر قیل و قال (۴) اور جواب و سوال' اور مصلحین کو بھی چاہیئے کہ ایسوں کے سوالات کے جوابات ضابطے سے دیا کریں عرفی خوش خلقی کو کام میں نہ لایا کریں۔

سائلین کو جواب دینے کا ضابطہ

ایک مرتبہ میرے پاس ایک عہدیدار کا خط آیا کہ کافر سے سود لینا کیوں حرام ہے؟ میں نے لکھا کہ کافر عورت سے زنا کرنا کیوں حرام ہے اور خلاصہ ان کے اس سوال کا علت کا سمجھنا تھا تو سمجھ لیجئے کہ علت کا سمجھنا خواص کا کام ہے تو ان عہدیدار صاحب نے علت پوچھی تھی تو اگر میں خوش خلقی کو کام میں لاتا اور کچھ لکھ دیتا تو نتیجہ یہ ہوتا کہ مغز ماخوردو حلق خود بدرید (۵) تو میں نے یہ لکھ دیا کہ زنا کیوں حرام

(۱) کونسے لفظ کے معنی ہیں (۲) جن کو یہ بھی نامعلوم ہو کہ یہ کیا صیغہ ہے اور اس کا کیا ترجمہ ہونا چاہے تو کیا ایسے لوگوں کی رائے ترجمہ قرآن میں معتبر ہوگی (۳) بڑے درجہ کے عالم (۴) ان کے فتووں پر حیل و حجت اور سوال و جواب قائم کرنے کی اجازت نہیں (۵) ہمارا مغز کھایا اور اپنا حلق پھاڑا یعنی ہمارا دماغ بھی خالی کیا اور خود کوئی فائدہ نہ اٹھایا۔

ہے' وہ بہت خفا ہوئے اور مجھ کو لکھا کہ علماء کو ایسا خشک اخلاق نہ ہونا چاہیئے' میں نے اس کو ردّی میں ڈالدیا اُس کے بعد اتفاق سے وہ مجھے ایک سفر میں ملے اور زبانی گفتگو سے سمجھ گئے اور پھر کبھی کوئی بات فضول نہیں پوچھی۔

اس پر میں عرض کرتا ہوں کہ اگر اول ہی سے جواب میں ضابطہ کا برتاؤ کیا جاوے تو سائلین کی جرأت کی یہاں تک نوبت کیوں آئے اسی طرح ایک شخص نے مجھ سے پوچھا کہ افریقہ دارالحرب ہے یا دارالاسلام؟ اب اگر میں ان کے ساتھ خوش خلقی کرتا تو چار گھنٹے تک مغز مارتا۔ اس لئے میں نے ان سے کہا کہ اول یہ بتلادو کہ اگر دارالاسلام ہونا معلوم ہوجاوے تو کیا کرو گے اور اسی طرح دارالحرب ہونا بھی؟ پس چپ ہوگئے تو ایسی باتوں کو اس طرح روکنا چاہیئے۔

عوام کو ترجمہ پڑھنے سے روکنے کی وجہ

غرض علماء اور حکماءِ امت کو چونکہ حق تعالیٰ نے نتائج تک پہنچنے کا ادراک (۱) عطا فرمایا ہے ان کی نظر نتیجہ پر ہوتی ہے اور اس لئے وہ بعضے ایسی چیزوں کو بھی روک دیتے ہیں جو بظاہر مستحسن (۲) ہوں اور اسی طرح سے ترجمہ قرآن مجید میں بھی گو بظاہر کوئی خرابی نہیں لیکن نتیجہ اس کا یہ ہے کہ بغیر مبادی اور اصول کی واقفیت کے جب تک استاد سے نہ پڑھا جائے گا اس وقت تک یہ اندیشہ ہے کہ شاید غلطی ہوجائے جیسے معنی نفاق میں عرض کیا گیا۔

---

(۱) نتیجہ تک پہنچنے کی سمجھ (۲) اچھی۔

منافق کی تعریف

اب میں پھر اپنے اصل مطلب کی طرف رجوع کرتا ہوں کہ نفاق اس کو کہتے ہیں کہ دل میں تو کافر ہو اور خاص موقعوں پر اس کفر کو ظاہر بھی کر دے اور ظاہر میں مسلمان ہو تو اس وقت ایسے لوگ بھی تھے اور گو حضور ﷺ کو علم ہو گیا تھا ان کے منافق ہونے کا مگر حکم یہ تھا کہ جو اپنے کو مومن کہے اس کے ساتھ مسلمانوں کا سا برتاؤ کیجئے کہ اس میں مصلحت تھی اور اس وقت چونکہ کوئی مصلحت نہیں لہذا اگر دلیل سے کفر ثابت ہو جاوے گا اس کے ساتھ کفار کا معاملہ کریں گے' خیر یہ تو لفظ نفاق کے متعلق کسی قدر بیان ہو گیا اصل مقصود یہ ہے کہ اس مقام پر حق تعالیٰ نے منافقین کے مقولہ کو بیان فرما کر ان کا رد کیا ہے' اول میں ترجمہ عرض کرتا ہوں۔

''وہ منافقین وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ ان لوگوں پر خرچ مت کرو جو رسول اللہ ﷺ کے پاس ہیں تا کہ وہ منتشر ہو جاویں اور اللہ ہی کے لئے ہیں خزانے آسمانوں کے اور زمین کے ولیکن منافقین نہیں سمجھتے (اور) یوں کہتے ہیں کہ اگر ہم مدینہ میں لوٹ کر گئے تو ہم میں جو عزّت والا ہے (یعنی ہم) وہ ذلّت والے کو (یعنی صحابہ کو) نکالدے گا اور اللہ ہی کے لئے ہے عزت اور اس کے رسول ﷺ کے لئے اور اہل ایمان کے لئے ولیکن منافقین نہیں جانتے''

منافقین کی غزوات میں شرکت

قصہ یوں ہوا تھا کہ ایک غزوہ میں حضور اکرم ﷺ اور مہاجرین اور انصار وغیرہ سب تھے غزوہ اور لڑائیوں میں منافقین بھی اکثر ساتھ جایا کرتے تھے اور ان کی غرض کبھی تو یہ ہوتی تھی کہ مسلمانوں کے اسرار (۱) معلوم کر کے کفار کو اطلاع

(۱) بھید۔

دیں جیسے جاسوس کیا کرتے ہیں چنانچہ ﴿وَفِيكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ﴾(۱) ''یعنی تم میں ان کے کچھ جاسوس موجود ہیں'' قرآن مجید میں موجود ہے اور کبھی غنیمت میں حصہ لینے کو جاتے تھے کیونکہ ظاہری اسلام کے سبب مال غنیمت میں ان کو بھی حصہ ملتا تھا اور حکمت اس کی یہ کہ لڑائی لڑنے والے اپنی کُمک (۲) کی قوت پر لڑا کرتے ہیں تو چونکہ یہ لوگ ظاہر میں بطورِ کُمک کے جاتے تھے ان کو بھی مال غنیمت میں حصہ ملتا تھا اور ان سے معاملہ مسلمانوں کا سا کیا جاتا تھا اور وہ جانتے بھی تھے کہ مسلمان ہم سے یہ برتاؤ کریں گے اور بعض مرتبہ دونوں طرف سے لیتے تھے کہ کفار سے جا کر کہتے تھے کہ ہم نے تمہارے بھلے کی یہ رائے دی تھی تو غرض یہ ہے کہ منافقین بھی جایا کرتے تھے۔ تو اس غزوہ میں بھی یہ لوگ شریک تھے اور جہاں مختلف طبائع کے لوگ ہوتے ہیں وہاں اختلاف ہو ہی جاتا ہے بلکہ اچھوں میں بھی ہو جاتا ہے فرق اتنا ہے کہ اچھوں کو اس پر اصرار نہیں ہوتا تو اتفاق سے دو شخصوں میں کچھ گفتگو بڑھ گئی ایک مہاجر تھے اور ایک انصاری حضور ﷺ کو خبر ہوئی حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہ ایک گندی بات ہے تو وہ جوش ان لوگوں کا فوراً کم ہو گیا۔

عرب بدوؤں کی ایک خوبی

اور تعجب نہ ہو کہ اتنی سے بات میں کیونکر جوش کم ہو گیا تو اس کا نمونہ اب بھی موجود ہے کہ عرب سب سے زیادہ سخت مشہور ہیں بالخصوص بدوی کہ ان میں محسوسات کا بھی علم نہیں، چنانچہ ایک شخص کہتے تھے کہ کسی قافلہ کی لوٹ میں بدوؤں کو ایک گھڑی ملی۔ اس کی آواز سن کر کمیٹی ہوئی کہ اس میں کیا ہے اخیر تشخیص یہ تھی کہ اس میں جن ہے پھر اس کو توڑا تو وہ بند ہو گئی تو کہتے ہیں کہ (نحن قتلنا الجن)

(۱) سورۂ توبہ: ۴۷ (۲) افرادی قوت کی پشت پناہی۔

''یعنی ہم نے جن کو مار ڈالا'' تو ایسی قوم بہت ہی خطرناک ہوگی اور ان کو دین کی بھی اطلاع نہیں۔ بعضے ایسے ہیں کہ کنواں موجود ہے اور تیمّم کر کے نماز پڑھ لی' بعضے نماز ہی نہیں پڑھتے غرض ان میں نہایت ہی جہل ہے غصہ میں فوراً تلوار نکل آتی ہے' لیکن باوجود اس کے یہ حالت ہے کہ کیسے ہی جوش میں ہوں اور ایک ادنیٰ سا آدمی بیچ میں جا کر کہدے کہ یا شیخ صل علی النبی ''اے شیخ رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجو'' فوراً تلوار کو نیام میں کر لیتے ہیں اور اللھم صل علی سیدنا الخ پڑھنے لگتے ہیں۔ تو اب بھی ایک داعی کے سبب جوش فرو ہو جانے کا ایک نمونہ موجود ہے اور یہ نمونہ میں نے اس لئے بیان کیا کہ آج کل ہر واقعہ کو نظیر (۱) ہی سے مانا جاتا ہے۔

محدّثین کے قوتِ حافظہ کی نظیر

چنانچہ رامپور میں معراج کے متعلق ایک صاحب نے یہی سوال کیا کہ اس کی کوئی نظیر بھی ہے۔ حالانکہ اگر نظیر بھی نہ ہو لیکن نقل صحیح ہو اور عقل کے خلاف نہ ہو تو بس مان لو مگر پھر بھی انکار ہوتا ہے جیسا کہ محدثین کے حافظہ کا انکار ہے کہ دو ورق کی حدیث کیسے یاد ہوئی کہتے ہیں کہ سمجھ میں نہیں آتا اور ایک مقدمہ کا ضمنی دعویٰ ہے کہ جو سمجھ میں نہ آوے وہ غلط ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اگر سمجھ سے کسی خاص آدمی کی سمجھ مراد لی جاوے تو کبریٰ اس قیاس کا غلط ہے کیونکہ کسی خاص کی سمجھ میں نہ آنے سے کوئی بات غلط نہیں ہو جاویگی اور جو عام مراد ہو تو صغریٰ غلط ہے (۲) کیونکہ یہ تو ٹھیک ہے کہ تمہاری سمجھ نہیں آتا لیکن تمہاری سمجھ میں نہ آنے سے یہ کہاں لازم آیا

(۱) مثال ہی سے تسلیم کیا جاتا ہے (۲) اس دعوے کی دو پہلو ہیں ایک سمجھ میں نہ آنا دوسرا جو سمجھ میں نہ آئے وہ غلط ہے ان دونوں پہلوؤں میں سے ایک کو صغریٰ دوسرے کو کبریٰ سے تعبیر کیا۔

کہ کسی کی سمجھ میں نہ آوے اس پر مجھے ایک حکایت یاد آئی کہ ایک بخیل شہد سے روٹی کھا رہا تھا اس کے ایک دوست آ گئے تو بخیل نے یہ خیال کیا کہ یہ بھی کھانے میں شریک ہو جائے گا کوئی ایسی صورت کرنی چاہیئے کہ یہ نہ کھاوے تو روٹی چھپا دی اور شہد اس خیال سے پیش کر دیا کہ خالی شہد کیا کھاوے گا مگر وہ لگا چاٹنے تو بخیل کہتا ہے کہ (یا اخی! انه یحرق القلب) ''یعنی بھائی! یہ قلب کو جلا دیتا ہے'' بخیل کے دوست نے یہ سنا اور ہنس کر کہتا ہے کہ (نعم! ولکن قلبك) ''ہاں! یہ سچ ہے مگر آپ کے دل کو'' تو جیسے بخیل کا یہ کہنا تو سچ ہے لیکن کس کا قلب اسی طرح یہ تو ٹھیک ہے کہ سمجھ میں نہیں آتا لیکن کس کی سمجھ میں ہماری تو سمجھ میں آتا ہے گو نمونہ بھی نہ دیکھا جاتا مگر حق تعالیٰ نے اس زمانہ میں ایک نمونہ اس کا بھی ظاہر فرما دیا میں نے متعدد معتبر آدمیوں سے حافظ رحمت اللہ صاحب الہ آبادی کے حافظے کے واقعات سنے ہیں قاضی وصی الدین صاحب کانپور میں قُرق امین تھے(۱) اور نہایت ثقہ (۲) اور معتبر آدمی تھے گو جنید بغدادیؒ نہ ہوں لیکن تاہم ایک ثقہ اور معزز آدمی تھے اور جو لوگ معزز ہوتے ہیں وہ عادۃً جھوٹ نہیں بولتے وہ کہتے تھے کہ ایک مرتبہ حافظ صاحب کانپور میں آئے میں نے درخواست کی کہ آپ کا حافظہ دیکھنا چاہتا ہوں۔ فرمایا کوئی کتاب لا کر میرے سامنے طویل عبارت پڑھ دو۔ وہ کہتے ہیں کہ میں کتب خانہ میں سے ''افق المبین'' نکال لایا جو بہت باریک لکھی ہوئی تھی اور بڑی تقطیع پر تھی اور اس کے دو صفحے ان کے سامنے پڑھے انہوں نے بعینہٖ تمام عبارت سنا دی۔ اور بھی بعضے علماء کی اس قسم کی حکایت سنی گئی ہے تو حق تعالیٰ کو سب قدرت ہے اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں ہے گو تمہاری سمجھ میں نہ آوے۔

---

(۱) محکمہ مال کے عہدیدار تھے (۲) معتمد۔

اہلِ عرب میں غصہ کا علاج

اسی طرح حق تعالیٰ نے صحابہ رضوان اللہ عنہم اجمعین کے اخلاق کا نمونہ تھوڑا سا اب بھی باقی رکھا ہے کہ ایسے جاہل عرب بدوی جن میں علم بھی نہیں اور ایسے سخت اور جوشیلے کہ ذرا سی بات میں معمولی غصہ میں تلوار کا نکال لینا اور آپس میں کشت خُون کر ڈالنا ان کے نزدیک ایک معمولی سی بات ہے، مگر باوجود اس کے چاہے کیسے ہی غصہ میں بھرے ہوں جس وقت (صل علی النبی) "نبی اکرم ﷺ پر صلوٰۃ بھیجو" سنیں فوراً غصہ کم ہوجاتا ہے اور (اللھم صل علی سیدنا) "پڑھنے لگتے ہیں تو اب تعجب نہ ہوگا کہ دو صحابی جو آپس میں بگڑ رہے تھے حضور ﷺ کے منع کرنے سے ان کا غصہ فوراً کم ہوگیا۔

رئیس المنافقین کا حضور ﷺ سے حسد

ہاں تو قصہ یوں ہے کہ وہاں ایک رئیس تھا عبداللہ بن اُبی منافق اس کو حضور ﷺ سے سخت حسد تھا اور وجہ حسد کی یہ تھی کہ حضور ﷺ کی تشریف آوری سے قبل لوگوں کا قصد(۱) تھا کہ اس کو سردار بنادیں گے مگر جب حضور ﷺ تشریف لائے تو گو آپ کو سرداری کی تمنا نہ تھی مگر منجانب اللہ آپ ہی کو سرداری ملی سچ ہے۔

اگر شہرت ہوس داری اسیر دام عزلت شو　　کہ در پرواز دارد گوشہ گیری نام عنقارا

"یعنی اگر شہرت کی خواہش ہے تو گوشہ نشینی اختیار کرو اس لئے کہ گوشہ گیری ہی سے عنقاء(۲) کی شہرت ہے"

اور عادۃ اللہ اسی طرح جاری ہے کہ (من تواضع للّٰہ رفعہ اللّٰہ) "یعنی جو شخص اللہ کے لئے تواضع اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے مراتب بلند فرمادیتے ہیں"

(۱) ارادہ تھا (۲) عنقاء ایک جانور ہے جس کو مبارک سمجھا جاتا ہے کم پایا جاتا ہے اس لئے جو چیز کمیاب ہو اس کو بھی عنقاء کہہ دیتے ہیں۔

حضور ﷺ کا کفار کو جواب

حتی کہ مکہ میں ایک مرتبہ کفار نے باہم مشورہ کر کے ایک شخص کو پیام دے کر بھیجا اور یہ درخواست کی تھی کہ آپ ہمارے بتوں کو بُرا نہ کہئے تو آپ جو کچھ کہیں اس کے لئے ہم موجود ہیں اگر آپ کو عورتوں کی تمنا ہو تو جن عورتوں کو آپ پسند فرمائیں ہم دینے کے لئے تیار ہیں' اور اگر آپ کو مال کی خواہش ہو تو جس قدر چاہیں ہم سے مال لے لیں اور اگر آپ سرداری چاہیں تو ہم آپ کو سردار بنانے کے لئے موجود ہیں اور اس رائے میں تمام بڑے بڑے کفار ابوجہل وغیرہ بھی شریک تھے' تو حضور ﷺ کفار کی اس درخواست کو نہایت تحمل سے سنتے رہے گو حضور ﷺ کو سخت ناگوار ہوا اس سے حضور ﷺ کی کمال خوش اخلاقی بھی ثابت ہوتی ہے آج ذرا سی بات خلاف مزاج ہو تو تحمل نہیں ہوسکتا۔ جب کفار کہہ چکے تو حضور ﷺ نے بسم اللہ پڑھ کر یہ آیتیں شروع کیں: ﴿حٰمٓ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ كِتَابٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ﴾(۱) ''حٰمٓ یہ کلام رحمٰن رحیم کی طرف سے نازل کیا جاتا ہے یہ ایک کتاب ہے جس کی آیتیں صاف صاف بیان کی گئی ہیں یعنی ایسا قرآن ہے جو عربی زبان میں ہے ایسے لوگوں کے واسطے مفید ہے جو دانشمند ہیں'' جب اس آیت پر حضور ﷺ پہنچے: ﴿فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ﴾(۲) ''یعنی پھر اگر یہ لوگ اعراض کریں تو آپ کہہ دیجئے کہ میں تم کو ایسی آفت سے بچاتا ہوں جیسی عاد اور ثمود پر آفت آئی تھی'' تو وہ شخص گھبرا گیا اور کہا بس کیجئے اور وہاں سے بھاگا اور اس کمیٹی میں پہنچا تو ابوجہل اتنا عاقل تھا کہ اس شخص کو دور سے دیکھ کر کہنے لگا کہ یہ گیا تھا اور

(۱) سورۂ حٰمٓ السجدہ: ۱ تا ۳ (۲) سورۂ حٰمٓ السجدہ: ۱۳۔

چہرہ سے اور آرہا ہے اور چہرہ سے اس کا تو خیال بدلا ہوا معلوم ہوتا ہے چنانچہ اس نے آکر بیان کیا کہ بھائیو قرآن سن کر میری تو حالت بدلنے لگی خصوصاً اس آیت پر تو مجھ کو یہ معلوم ہوتا تھا کہ ابھی ایک بجلی گری اور میرا کام تمام ہوا بڑی مشکل سے وہاں سے نکلا۔

عِلم کی حقیقت

اور میں اس قصد سے کہ ابوجہل نے اس شخص کے بشرہ (۱) سے کیا استدلال کیا جو اس کے بڑے عاقل فلسفی ہونے کی دلیل ہے یہ امر بھی بتلانا چاہتا ہوں کہ اس وقت لوگ کہتے ہیں کہ علم کو بہت ترقی ہے سو علم کو بیشک ترقی ہے مگر کونسے علم کو یہی ریل، تار، فونوگراف بس ان کو ترقی ہے مگر حقیقت میں خود ان کو علم کہنا ہی غلطی ہے اس کو صنعت کہئے تدبیر کہئے گو بالمعنی الاعم (۲) علم ہی سہی یوں بعضے علوم وہ بھی ہیں جن کی شان میں حدیث میں ہے: ((ان من العلم لجهلا)) ''بعض علوم جہل ہوتے ہیں'' مگر علم مطلوب واقع میں تو وہی ہے کہ ؎

علم چہ بود آنکہ رہ بنمایدت زنگ گمراہی زدل بزد آیدت

''واقع میں علم وہی ہے جو تم کو محبوب حقیقی کی راہ پر لگادے اور تمہارے دل سے گمراہی کا زنگ دور کردے''

ایں ہوس ہا از سرت بیروں کند خوف وخشیت دردلت افزوں کند

''خواہشات نفسانی وشیطانی کو تمہارے سر سے نکال کر اللہ تعالیٰ کی خوف وخشیت تمہارے دل میں زیادہ کردے''

اگر کہا جاوے کہ علم کے معنی جاننے کے ہیں تو میں کہتا ہوں کہ کل ایک مہتر (۳) کو بھی حق ہوگا کہ وہ اپنے کو ذی علم کہے کیونکہ صحت کے لئے صفائی کی

(۱) پیشانی (۲) عام معنی کے اعتبار سے (۳) خاکروب۔

ضرورت اور مہتر صفائی کے فن کو جانتا ہے مگر آپ اس کو علم نہیں کہتے تو جس طرح آپ اس کو علم نہیں کہتے ہم ریل، تار، فونو گراف وغیرہ فنون جاننے کو علم نہیں کہتے، ہاں صنعت ہے اور ضروری ہے بس ایسا ہی ابوجہل فلسفی تھا اور یہی ابوجہل معبّر (۱) بھی ایسا ہی تھا تو تعبیر بھی کوئی بزرگی کی بات نہیں ہے بلکہ ایک قسم کی فراست ہے تو باوجود ان علوم کے مخالفت کے سبب جس کا منشاء علم مطلوب کا نہ ہوتا تھا ابوجہل ہوگیا۔

حضور ﷺ کی سرداری

غرض حضور ﷺ نے اہلِ مکہ کو یہ جواب دیا تھا، پس نہ مکہ میں حضور ﷺ نے سرداری کی درخواست کی اور نہ مدینہ میں مگر بات یہ ہے کہ حق تعالیٰ جس کو بنائیں اس کو کون چھوٹا کرسکتا ہے۔ تو حضور ﷺ کو گو سرداری کی تمنا نہ تھی مگر آپ کی تشریف آوری پر لوگوں نے آپ کو سردار بنالیا تو عبداللہ ابن اُبی جل مرا کہ میری سرداری آپ کی بدولت گئی اور کیوں نہ ہوتی (طلعة الشمس ما يغنيك عن زحل) ''یعنی سورج کے طلوع ہونے سے زحل سے بے پروائی برتی جاتی ہے''۔

آیت میں مذکورہ قصہ کی تفصیل

تو خلاصہ یہ ہے کہ عبداللہ بن اُبی کو حضور ﷺ سے اس وجہ سے سخت حسد تھا اور ہر وقت ایسے موقع کی تلاش میں رہتا تھا تو اس واقعہ سے اس کو سخت ناگواری ہوئی کہ شہری لوگوں کے مقابلہ میں ان پردیسیوں کو اتنی دلیری ہوگئی تو اس نے اپنی جماعت میں کہا کہ تم ہی نے تو ان کو جری (۲) کیا تو اب مدینہ چل کر معاملہ کو بدل ڈالو اور اس کی یہ صورت بتلائی کہ جس کا ذکر اس آیت میں ہے پس اس کا پہلا

(۱) خواب کی تعبیر بھی دیتا تھا (۲) تمہی نے ان کو یہاں تک بڑھایا ہے۔

مقولہ ہے کہ: ﴿ هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَاتُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا ﴾ یعنی کچھ خرچ مت کرو رسول اللہ ﷺ کے ساتھیوں پر کہ سب متفرق ہو جاویں کیونکہ یہ سب روٹیاں کھانے کے لئے جمع ہوئے ہیں اور جب یہی نہ رہے گی تو سب منتشر ہو جاویں گے ایک مقولہ تو یہ تھا' اور دوسرا یہ تھا کہ: ﴿ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ ﴾ کہ مدینہ چل کر معزز ذلیل کو نکال دیں گے اور معزز اپنے کو سمجھتے ہیں تو یہ عبداللہ بن اُبی نے کہا اور آہستہ اپنی جماعت میں کہا مگر زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے یہ سن لیا اور جوش بے تابی میں حضور ﷺ سے عرض کیا' آپ ﷺ نے فوراً عبداللہ بن اُبی کو بلایا اور پوچھا تو اس نے آکر قسم کھالی کہ غلط ہے میں نے ہرگز نہیں کہا اسی کو تو کہتے ہیں کہ: ﴿ اِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ﴾ الخ ''یعنی جب آپ کے پاس یہ منافقین آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ بے شک اللہ کے رسول ہیں'' زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کے چچا نے ان کو ملامت کی کہ تم کو کیا ضرورت پڑی تھی کہ رسول اللہ ﷺ سے کہہ دیا یہ مارے رنج کے گھر میں بیٹھ رہے کہ اب کیا منہ دکھلاؤں۔

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی راستگوئی کی تصدیق

اللہ اکبر کیا غیرت تھی حق تعالیٰ کو ان کی یہ حالت رنج کی گوارا نہ ہوئی اور اس وجہ سے یہ سورت نازل فرمائی حالانکہ صرف ایک شخص کا قصہ تھا مگر مقبول ہونا یہ ہے کہ ایک شخص کے لئے ایک سورت نازل فرمائی جو کہ قیامت تک کے لئے نمازوں میں پڑھی جاوے گی اور عبداللہ بن اُبی کا وہ مقولہ بالتصریح (۱) نقل فرمایا کہ اس نے ضرور یہ کہا ہے تاکہ زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی راست بیانی اچھی طرح ثابت ہو جاوے۔ جب یہ سورت نازل ہوئی تو حضور ﷺ زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کو بلایا اور ان

(۱) ظاہر طور سے۔

کی تصدیق کے لئے سورت نازل ہونے کی ان کو بشارت سنائی زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کھل گئے۔(۱)

قرآن کریم میں مذکور قصص کا مقصد

یہ خلاصہ تھا اس قصہ کا اب میں بیان کرتا ہوں کہ مقصود میرا اس قصہ کے ذکر سے کیا ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ ہر حکایت سے ایک مقصود ہوا کرتا ہے اور یہی راز ہے کہ قرآن شریف میں قصے زیادہ مفصل بیان نہیں ہوئے بہت لوگ قرآن سے مفصل قصے تلاش کرتے ہیں اور تاریخوں سے دیکھ کر منطبق کرتے ہیں اگر کوئی قصہ مل جاتا ہے تو بہت خوش ہوتے ہیں اور اگر نہیں ملتا تو اس کو کمی سمجھ کر جواب کے طالب ہوتے ہیں حالانکہ واقعہ کے اعتبار سے گو قصہ ناتمام ہے مگر واقعہ تو مقصود ہی نہیں بلکہ مقصود صرف نتیجہ ہے تو جتنے جزو سے نتیجہ نکل آوے وہی مذکور ہونا کافی ہے تو یہاں بھی چونکہ قصہ ذکر کیا ہے یہاں بھی کوئی نتیجہ ضرور ہوگا اور اس کی تعیین اکثر قرآن ہی سے ہوجاتی ہے چنانچہ یہاں اس قصے سے مقصود ایک علم ہے جو ساتھ ہی مذکور ہے چنانچہ منافقین کے پہلے مقولہ کے ساتھ فرمایا کہ: ﴿وَلِلّٰهِ خَزَائِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ کہ حق تعالیٰ ہی کے لئے سب کچھ ہے اور ان کے دوسرے مقولہ کے ساتھ فرمایا: ﴿وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ کہ عزت تو اصل میں حق تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مؤمنین کی ہے۔ ان دونوں آیتوں کے مضمون میں غور کرنے سے مفہوم ہوگا کہ مقصود کیا ہے تو پہلی آیت میں تو مقصود ہے مال کے ایک اثر کو بیان کرنا اور پھر اس کو رد کرنا اور دوسری آیت میں مقصود ہے عزت کے اثر کو بیان کرنا اور پھر اس کو رد کرنا کیونکہ پہلی آیت میں منافقین کو مال کا دعویٰ تھا حق تعالیٰ نے اس کو رد فرمایا کہ منافقین مال کا دعویٰ کرتے

(۱) خوش ہوگئے۔

ہیں حالانکہ ان کا دعویٰ غلط ہے کیونکہ آسمان وزمین کے سارے خزانے تو حق تعالیٰ کے پاس ہیں اور دوسری آیت میں منافقین کو عزت کا دعویٰ تھا کہ وہ اپنے آپ کو معزز خیال کر کے کہتے تھے کہ: ﴿لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ﴾ یعنی مدینہ چل کر معزز ذلیل کو نکال دیں گے تو حق تعالیٰ نے اس کو بھی رد فرمایا کہ عزت تو خدا اور رسول اللہ ﷺ ومومنین کی ہے تو خلاصہ ان دونوں آیتوں کے مضمون کا یہ ہوا کہ ایک آیت یعنی پہلی مال کے متعلق ہے اور دوسری جاہ کے متعلق ہے۔

انتخاب مضمون کی وجہ

اب یہ بات کہ اس وقت میں نے اس کو کیوں ذکر کیا تو دل یوں چاہا کرتا ہے کہ جس چیز کی ضرورت ہو وہ بتلائی جاوے تو آج کل جو امر زیادہ ضرر رساں اور زیادہ آزردہ(۱) ہے وہ اختلافات ہیں جو باہم مسلمانوں میں پیدا ہو گئے ہیں' بالخصوص جبکہ دونوں طرف بڑے بڑے لوگ ہوں کہ چھوٹے لوگ ان کے ساتھ ہو گئے ہوں اس لئے بڑا ضروری امر اس وقت اختلافات کا فیصلہ ہے۔

ایک اختلافی مسئلہ

سو منجملہ ان اختلافات کے ایک بڑی جماعت کا یہ اختلاف ہے کہ مال اور جاہ قابل تحصیل اور مطلوب ہیں یا نہیں(۲) اور دونوں جانب بڑے بڑے لوگ ہیں ایک جانب تو وہ لوگ ہیں جو اہل الرائے(۳) اور معزز طبقے کے کہلاتے ہیں۔ اور دوسری جانب علماء ہیں اور ممکن ہے کہ دونوں کی کچھ کچھ غلطیاں بھی ہوتی ہوں اور کوئی زائد غلطی میں ہو چنانچہ آج کے عقلاء تو اس میں منہمک ہیں کہ مال اور

(۱) زیادہ نقصان دہ اور زیادہ تکلیف کا باعث ہے (۲) دولت واقتدار حاصل کرنا چاہیئے یا نہیں (۳) عقلائے دنیا۔

جاہ قابلِ تحصیل اور مطلوب ہیں ان کی ترقی ہونی چاہیئے اور علماء کی رائے یہ مشہور کی جاتی ہے کہ مال اور جاہ اصلاً قابل تحصیل اور مطلوب نہیں اور ان کی ترقی کی کچھ ضرورت نہیں اور بعض مرتبہ تو قول ہی نا تمام ہوتا ہے اور بعض مرتبہ نا تمام پہنچایا جاتا ہے(۱)۔

علماء پر الزام

چنانچہ اسی بنا پر علماءِ دین کے متعلق لوگوں کا یہ خیال ہے کہ یہ یوں چاہتے ہیں کہ مسلمان جوتیاں چٹخاتے پھریں چنانچہ عموماً ان پر یہی گمان ہے کہ یہ علماء ترکِ دنیا کراتے ہیں اور جب یہ گمان ہوگیا تو اس خیال کی بنا پر یہ بھی شبہہ ہوگیا کہ علماء کی زیادہ سختی اس لئے ہے کہ یہ زمانوں کی ضرورتوں سے بے خبر ہیں ان کو یہ خبر نہیں کہ کس جگہ مال اور جاہ کو منع کرنے سے ترقی رکتی ہے اور اگر ان کو خبر ہوتی تو اتنی سختی نہ کرتے بلکہ اپنے فتوے میں اس کی رعایت رکھتے ایسا نہ کرتے کہ ہر نوکری بھی (لَایَجُوْزُ) "جائز نہیں" اور تجارت بھی ناجائز تو ان کے نزدیک نہ حیات کے افعال جائز نہ موت کے افعال چنانچہ قنوج میں ایک صاحب نے کہا کہ ساری شریعت کا حاصل یہ ہے کہ نہ ہنسنے کی جگہ ہنسو نہ رونے کی جگہ روؤ' میں نے کہا سبحان اللہ خوب سمجھے' تو شریعت اس طرح بدنام کی جارہی ہے۔

علوم دینیہ اور علوم دنیویہ کی تقسیم

ہاں یہ ممکن ہے کہ بعض علماء کی تعلیم میں کہیں لفظی اجمال(۲) ہو مگر اس اجمال کا مضائقہ بھی نہیں کیونکہ مخاطب مسلمان کم وبیش مسائلِ دین سے ضرور تعلق

(۱) بعض دفعہ تو بات ہی نامکمل ہوتی ہے اور بعض دفعہ نامکمل نقل کی جاتی ہے (۲) ممکن ہے بعض علماء نے اس مسئلہ کو اجمالاً ذکر کیا ہو جس سے ابہام ہوگیا۔

رکھتے ہیں تو ظاہر ہے کہ ممانعت تو اسی کی ہوگی جو حرام ہو مگر ان کی مناسبت کے اعتماد پر بعض جگہ عنوان میں کچھ ابہام رہ گیا ہو مثلاً اگر کسی مریض کو طبیب مرچ سے منع کرے اور کچھ تفصیل نہ کرے تو وہی درجہ ممنوع ہوگا جو مریض کے لئے مضر ہو تو اس طرح سے بھی غلط فہمی ہوگئی ہے اور اس کی وجہ سے اختلاف ہوگیا' پس ایک طبقہ تو حامی ہوگیا تعلیم دین کا جس کی غایت مال و جاہ نہیں ہے اور ایک طبقہ حامی ہوگیا تعلیم دنیا کا جس کا مقصود ہی صرف مال و جاہ ہے اور اس طبقہ کی طرف سے پہلے طبقہ کی نسبت یہ کہا جاتا ہے کہ یہ لوگ تو کھانے پینے کے ذریعے کی ضرورت ہی نہیں سمجھتے چنانچہ سب سے اول یہ سوال ہوتا ہے کہ اگر تعلیم دنیا کا اہتمام نہ ہو تو کھائیں کہاں سے علمِ دین کی ضرورت کا وہ انکار تو نہیں کرتے مگر علمِ دین صرف نماز روزہ ہی کے مسائل سمجھتے ہیں۔

تحصیلِ علمِ دین میں لوگوں کا معیار

مگر اس کی ایسی مثال ہے کہ کوئی کہے کہ قانون گورنمنٹ صرف یہ ہے کہ حکام کی تعظیم و تکریم کرو پھر چاہے رات کو ڈکیتی ہی کا شغل ہو لیکن تعجب ہے کہ ایسے شخص کا یہ اجتہاد تو کوئی نہ سنے گا مگر دین کے باب میں ایسی رائیں مسموع (۱) ہوتی ہیں اور شاید کوئی شخص کتاب ''راہ نجات'' کے نام سے استدلال کرے کہ ''راہِ نجات'' میں دیکھو نماز روزہ ہی کا بیان ہے اور پھر اس کا نام ''راہِ نجات'' ہے اس سے معلوم ہوا کہ نجات کا راستہ یہی نماز روزہ ہے و بس' تو یہ تو ٹھیک کہ نماز و روزہ نجات کا راستہ ہے لیکن یہ کا ہے سے معلوم ہوا کہ پورا راستہ وہی ہے اور کسی جزو کی ضرورت نہیں جیسے کوئی شخص سڑک پر جا رہا ہو تو یہ سڑک اس کا راستہ ضرور ہے لیکن یہ کا ہے (۲) سے معلوم ہوا کہ پورا راستہ یہی سڑک ہے ممکن ہے کہ کچھ دور کے

(۱) سنی جاتی ہیں (۲) یہ کیسے پتہ چلا۔

بعد دوسری سڑک بھی طے کرنا پڑے تو بہت لوگوں نے دین میں بس یہ اختصار کر رکھا ہے حتی کہ بعضے تو قرآن شریف پڑھنے کو بھی تضیع اوقات سمجھتے ہیں۔

تعلیمِ قرآن سے بے توجہی

چنانچہ رامپور میں ایک صاحب نے اپنے دوست سے کہا کہ تم اپنے بچے کو انگریزی کیوں نہیں پڑھاتے' انہوں نے کہا کہ وہ قرآن پڑھ رہا ہے ختم کرلے تو انگریزی پڑھاؤں۔ کہنے لگے کتنے دنوں میں کتنا قرآن ہوا ہے' انہوں نے کہا دو برس میں آدھا قرآن' تو آپ کہتے ہیں کہ دو سال تو ضائع گئے دو سال اور بھی کیوں ضائع کرتے ہو۔ اور قرآن سے بے تعلقی اس درجہ بڑھ گئی ہے کہ مولانا محمد حسین صاحب الہ آبادی ایک بیرسٹر کی نسبت فرماتے تھے کہ انہوں نے مولانا سے کہا کہ اس وقت تو علماء اگر سود کو حلال کہدیں تو مصلحت ہے۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ توبہ کرو جو چیز قرآن میں حرام ہے اس کو کون حلال کہہ سکتا ہے اور آیت پڑھی ﴿اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا﴾(۱) 'یعنی اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام کردیا ہے' تو کہنے لگے اے اللہ توبہ میں تو اب تک یہی سمجھے ہوئے تھا کہ مولویوں نے مل کر اس کو حرام کر رکھا ہے تو یہ حالت بے خبری کی ہوگئی ہے اور یہ بڑھتی جاتی ہے۔ اور یہیں الہ آباد کا قصہ ہے کہ ایک بچہ کی انگریزی تعلیم بہت دور تک ہوگئی تھی مگر وہ الحمد شریف دیکھ کر بھی نہ پڑھ سکا۔ میں نے حروف پہچنوائے تو معلوم ہوا کہ اس نے الف با تا بھی نہیں پڑھی اور میں نے ایک بہت بڑے شخص کے بچے کو دیکھا کہ وہ مَیم کی گود میں پلتا تھا اور باپ کو اس پر فخر تھا کہ وہ کلمہ پڑھ سکتا تھا جیسے ہم اپنے طوطے کو کلمہ پڑھا دیں تو اسلام سے یہ بے خبری کی نوبت ہوگئی ہے

(۱) سورۂ بقرہ: ۲۷۵۔

اور صاحب آپ نے تو پھر بھی ایسے لوگوں کی آغوش(۱) میں پرورش پائی ہے جو پرانی روش(۲) کے تھے اب تو خیر اتنے کو تو ضروری سمجھتے ہیں' مگر یہ بچے جو آپ کی اور مَیم کی گود میں پرورش پا رہے ہیں یہ تو اتنا بھی نہ سمجھیں گے۔

اندیشہ انجامِ بد

یہ حالت دیکھتے ہوئے مجھے تو خوف ہے کہ چند روز میں شاید لوگ اپنے کو مسلمان کہنا بھی پسند نہ کریں گے جیسا کہ اس وقت میں اکثر عربی طلباء کو دیکھتا ہوں کہ وہ اپنے کو ایسی وضع سے رکھنا پسند نہیں کرتے جس سے طالب علم سمجھے جاویں صاحب سن لیجئے۔

یا مکش بر چہرہ نیل عاشقی یا فرو شو جامہ تقویٰ بہ نیل

''یا تو محبوب حقیقی کے عشق کا دعویٰ مت کرو اور اگر کرتے ہو تو عاشقوں کی وضع کو اختیار کرو''

یا مکن با پیلباناں دوستی یا بناکن خانہ برانداز پیل

یعنی ''یا تو فیل بان سے دوستی مت کرو یا اپنا مکان ہاتھی کے موافق بناؤ''

یعنی یا طلباء اور اللہ والوں میں مت داخل ہو اگر داخل ہوتے ہو تو ان کی وضع کو اختیار کرو۔

تو جب یہ کیفیت طلباء میں داخل ہوگئی تو اوروں کا تو کیا ٹھیک ہے تو جس طرح طلباء کو ایسی وضع بنانے میں عار ہے جس سے لوگ ان کو طالب علم کہیں گے تو دیکھئے اب یہ اپنے کو طالب علم کہنا پسند نہیں کرتے اسی طرح اسلام کو بھی عجب نہیں کہ عار سمجھیں چنانچہ نام تو بدلنے لگے ہیں کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ مسلمان ہیں تو نام بدل گئے وضع بدل گئی خیالات بدل گئے مگر ان کے نزدیک وہ اسلام ہی کچھ ایسا

(۱) گود میں (۲) جو قدیم طرزِ زندگی اپنائے ہوئے تھے۔

لو ہے جڑا ہے کہ کسی طرح الگ ہی نہیں ہوتا بس ایسا ہے جیسے مولانا شاہ رفیع الدین صاحبؒ نے ایک سقّے کو نماز کی تاکید کی اور وضو کرا کر بتلا دیا غالباً ایک ماہ کے بعد پوچھا کہ نماز بھی پڑھتا ہے معلوم ہوا پڑھتا ہے، فرمایا وضو بھی کرتا ہے تو آپ فرماتے ہیں کیوں اس دن کرا نہیں دیا تھا تو جیسا اس کا وضو تھا ایسا ہی آج کل کا اسلام ہے۔

علماء کافر بتاتے ہیں بناتے نہیں

پھر اس حالت پر اگر علماء کچھ کہہ دیتے ہیں تو علماء پر یہ الزام دیا جاتا ہے کہ یہ بہت جلد کافر بناتے ہیں مگر یہ الزام سراسر غلط ہے کیونکہ کافر بنانے کا مفہوم تو ایسا ہے جیسا مسلمان بنانے کا اور مسلمان بنانے کے معنی ظاہر ہے کہ یہی ہیں اسلام سکھلانا اسلام کی ترغیب دینا و تحریک کرنا چنانچہ کہتے ہو کہ علماء کو حق تعالیٰ نے اس لئے بنایا کہ وہ کافروں کو مسلمان بنائیں تو کیا اس کے معنی یہ ہیں کہ کافروں کو مسلمان کہیں، نہیں ہرگز نہیں، بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ کافروں کو اسلام سکھلاویں اسلام کی ترغیب دیں اور اسلام کی طرف بلائیں تو اسی طرح کافر بنانے کے بھی یہی معنی ہوں گے کہ کافر ہونے کی تحریک کریں اور جب یہ معنی متعیّن ہوئے تو اب تم ہی بتلاؤ کہ کونسا عالم کفر کی تحریک کر رہا ہے بس معلوم ہو گیا کہ علماء کافر بناتے نہیں ہاں بیشک علماء بتاتے ہیں کہ فلاں بات سے کافر ہو گیا تو کافر تو خود ہو گیا تھا مگر علماء نے صرف بتلا دیا۔ جیسے کوئی شخص امتحان میں فیل ہو جائے اور کوئی اس کو بتلا دے کہ تم فیل ہو گئے تو کیا یہ کہا جائے گا کہ اس بتلانے والے نے اس کو فیل کر دیا نہیں بلکہ فیل تو خود ہوا اس شخص نے صرف بتلا دیا ہاں اگر کوئی ناحق کفر کا فتویٰ دے تو بیشک وہ بُرا ہے تو علماء پر یہ الزام محض اس لئے ہے کہ ان لوگوں کو بھی خبر نہیں کہ اسلام کیا ہے۔

احکامِ اسلام سے لوگوں کی لاتعلقی

اور زیادہ تو ایسے ہی لوگ ہیں اور بعضے ایسے بھی ہیں کہ وہ بے خبر تو نہیں ہیں بلکہ ان کو خبر سب ہے پھر بھی استہزا(۱) کرتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت کی اُن کی ضرورتیں اُن کے خیال میں واجب الرعایت ہیں (۲) اور شریعت میں ان کے نزدیک ان کی کامل رعایت ہے نہیں اس لئے کھینچ تان کر ان پر شریعت کو منطبق کرتے ہیں اور علماء اس پر انکار کرتے ہیں اس لئے وہ علماء سے الجھتے ہیں اور ان میں بعضے ایسے ہیں کہ یورپ کی تحقیقات کو بھی صحیح نہیں سمجھتے مگر پھر بھی کہتے ہیں کہ اب وہ زمانہ نہیں رہا تو اس جماعت نے دین صرف قوم کا نام رکھا ہے۔

قومیّت کا بھوت

چنانچہ افسوس ہے کہ آجکل ایک طبّی وفد ترکوں کی مدد کو گیا ہے تو جہاز میں سوار ہونے کے بعد آپس میں گفتگو ہوئی کہ ہم لوگوں کو داڑھی رکھنا مناسب ہے یا نہ رکھنا' تو میں کیسے کہوں کہ یہ اسلام ہے۔ دیکھئے اول تو ایسے دینی کام کو جا رہے ہیں تو یہ دین کے خلاف تجویز کیسی' دوسرے ممکن ہے کہ ان کے ایک گولی آ کر لگ جائے تو کیا وہ چاہتے تھے کہ ایسی حالت میں خاتمہ ہو جو کہ اسلام کے خلاف ہے تو اس لئے میں کہتا ہوں کہ اس وقت مذہب سے کوئی مطلب باقی نہیں رہا یہ ایسے لوگ ہیں کہ اگر ان کو کسی وقت یہ معلوم ہو جاوے کہ اس مذہب کو اختیار کر کے ہماری قومیت باقی نہیں رہ سکتی اور فلاں مذہب اختیار کرنے سے باقی رہ سکتی ہے تو فوراً اس مذہب اسلام کو چھوڑ کر وہ دوسرا مذہب اختیار کر لیں۔

---

(۱) ہنسی مذاق کرتے ہیں (۲) جو ضرورتیں ہیں ان کے خیال میں احکام اسلام میں اس ضرورت کی رعایت ہونی چاہیئے جو کہ ان کے نزدیک نہیں ہے۔

جو کمیٹی خلافِ اسلام کام کرے اس کا ممبر نہ بنے

چنانچہ لکھنؤ میں ایک میرے دوست میرے پاس روزانہ آتے ایک روز آنے میں کچھ دیر ہوگئی آنے کے بعد میں نے تاخیر کی وجہ دریافت کی تو انہوں نے بیان کیا کہ آج ایک کمیٹی تھی اس کے تماشے (۱) میں دیر ہوگئی اور گو میں اس کا ممبر نہ تھا اور اس کا ممبر ہی نہ ہونا اچھا تھا کیونکہ بعض کمیٹی کا ممبر ہی نہ ہونا اچھا ہے' چنانچہ مشہور ہے کہ اکبر کے زمانہ میں ایک کمیٹی نبوت کی قائم ہوئی اس میں ملا دو پیازہ بھی حاضر تھے کوئی نبی بنتا تھا کوئی ابوبکر کوئی عمر یہ خاموش تھے ان سے پوچھا گیا بھائی تم کیا بنو گے انہوں نے کہا میں ابوجہل بنوں گا تم سب کی تکذیب کروں گا۔ سو واقعی بعضے مجلس کا ابوجہل ہی ہونا اچھا ہے' اسیطرح اس کمیٹی کا ممبر نہ ہونا اچھا تھا۔

کیا اسلام مانع ترقی ہے؟

سو انہوں نے بیان کیا کہ اس کمیٹی میں یہ بحث تھی کہ مسلمانوں کی ترقی نہیں ہوتی تو اخیر میں تحقیق کے درجہ میں یہ طے پایا کہ اسلام کو باقی رکھ کر مسلمانوں کی جماعت ترقی نہیں کرسکتی اور یہ رائے قائم کی کہ اگر ترقی مطلوب ہے تو اسلام کو چھوڑ دیا جائے' کیونکہ اس میں حلال وحرام کا بڑا قصہ ہے مثلاً ایک انجمن نے تو ایک تجویز کی کہ مسلمانوں کو یہ کرانا چاہیئے' اور مذہب اسلام کی رو سے وہ حرام ہے تو اب اس چیز پر عمل کیسے ہو۔ چنانچہ ایک بار میں لاہور گیا تو وہاں کے عقلاء نے یہ تجویز کر رکھا تھا کہ علماء پر زور ڈال کر سود کو حلال کرانا چاہیئے' جب علماء نے موافقت نہ کی تو وہ لوگ بولے بس صاحب اب ترقی کی کوئی امید نہیں۔ اسی طرح اس جماعت نے یہ رائے قائم کی کہ یہ ساری خرابیاں اور مسلمانوں کی پستی اسلام کی قید

(۱) اس کے اجلاس میں دیر ہوگئی۔

اور حرام وحلال کی بدولت ہیں۔

مثلاً اگر کوئی تجارت کرے تو شریعت میں تو روک ہے کہ ناجائز معاملہ نہ کرو، سود نہ لو پھر ترقی کہاں اس لئے اس قید سے آزاد ہوجانا چاہئیے، مگر میں کہتا ہوں کہ اگر شریعت کو چھوڑ بھی دیا مگر آزادی تو پھر بھی میسر نہ ہوئی کیونکہ گورنمنٹ کے قوانین کی قید اب بھی ہے اگر کہو کہ کچھ کچھ تو آزادی ہوگئی تو میں کہتا ہوں کہ اس کچھ قید کچھ آزادی سے تو بالکل قید ہی اچھی ایک طرف تو ہو، اس لئے چاہیئے کہ جو خدا سے آزاد ہو وہ گورنمنٹ سے بھی آزاد ہو جاوے۔

جدّت پسندوں کو احکامِ اسلام سے توحش کی وجہ

پھر علاوہ حلال وحرام کی روک ٹوک کے ایک اور بات سے بھی ان لوگوں کو اسلام سے توحش (۱) ہوا وہ یہ کہ انہوں نے دیکھا کہ بعض مسلمانوں میں تعصب اتنا ہے کہ کوئی آمین پر لڑتے ہیں، کوئی رفع یدین پر تو جب اسلام ہی نہ ہوگا تو یہ سب کچھ بھی نہ ہوگا جس سے قوم کو ضرر پہنچ رہا ہے، انہوں نے جھگڑوں کے اعتبار سے اسلام کو ایسا سمجھ رکھا ہے جیسے کسی بادشاہ کے بڑے بھائی تھے مجذوب کہ برہنہ رہتے، بادشاہ نے کہا کہ پاجامہ تو پہن لیجئے، انہوں نے کہا پھر کُرتہ بھی لوں گا۔ بادشاہ نے کہا وہ بھی حاضر ہے، وہ بولے ٹوپی بھی لوں گا بادشاہ نے کہا وہ بھی حاضر ہے۔ اسی طرح سلسلہ چلاتے چلاتے سلطنت کی ضرورت ظاہر کی بادشاہ نے کہا وہ بھی حاضر ہے کہنے لگے تو میں پاجامہ ہی پہن کر کیا کروں گا جس سے یہ سب جھگڑے پیدا ہوں۔

اسی طرح انہوں نے کہا کہ سارے قصے اسلام ہی کے ہیں تو مسلمان ہی کیوں رہیں اور یہ لوگ جو مسلمانوں کو الزام دیتے ہیں کہ ذرا ذرا سی بات میں جھگڑا

(۱) نفرت ہوئی۔

کرتے ہیں چنانچہ آمین ہی پر دیکھئے کس قدر اختلاف اور جھگڑا ہورہا ہے تو واقعی اتنے اختلاف کو تو ہم بھی پسند نہیں کرتے مگر یہ دیکھئے اصل سبب اس اختلاف کا کیا ہے تو اصل سبب یہ ہے کہ مسلمان کی نظر میں دین کی تکمیل اتنی ضروری ہے کہ ذرا ذرا سی بات کو بھی وہ جانچتا ہے پھر اس میں کبھی نفسانیت بھی آگئی جس کی وجہ سے اس میں زیادتی ہونے لگتی تو اصل میں خرابی یا ضرر جو کچھ لازم آیا وہ اسلام سے نہیں بلکہ نفسانیت سے مگر انہوں نے اس ضرر کو بھی اسلام کی طرف منسوب کیا تو انہوں نے یہ تجویز کرلیا کہ اسلام کو باقی رکھ کر ترقی نہیں ہوسکتی مگر ابھی تجویز ہی تھی اپنے نزدیک اسلام کو ابھی چھوڑا نہیں مگر صاحبو! اسلام نے تو خود انہیں چھوڑ دیا تو یہ لوگ متروک الاسلام (۱) تو ہو ہی گئے غرض یہاں تک مذاق بدل گیا ہے۔

جدّت پسندوں کی ایک خواہش

ایک اور قصہ ہے رڑکی کا وہاں ایک کمیٹی میں ایک یہ تجویز ہوئی تھی کہ نکاح بھی فضول ہے آزادی تو یہ ہے کہ جیسے اور سودے سلف کا معاملہ ہوتا ہے کہ جس سے جو معاملہ ٹھہر جاوے اسی طرح بیویاں بھی حاصل کرلی جاویں یہ رائے تھی عقلاء کی تو سبب اس کا فقط یہی ہے کہ ان کی نظر میں دنیا اصل چیز ہے۔

مقصودِ بیان

علماء نے اس مفسدہ کو دیکھ کر روکا اور روکنے کا مطلب یہ تھا کہ اس درجہ کی دنیا کو چھوڑو مگر اس کے معنی غلط یہ سمجھے گئے کہ علماء کی رائے یہ ہے کہ دنیا کو بالکل چھوڑ دو اس لئے اختلاف ہوا اور یہ گفتگو ہونے لگی کہ آیا اصل میں دنیا مطلوب ہے

---

(۱) اسلام کے چھوڑے ہوئے۔

اور دین بقدر ضرورت حاصل کرنا چاہیئے' یا اصل میں دین مطلوب ہے اور دنیا بقدر ضرورت ہونی چاہیئے' یہ ہے وہ مسئلہ جو اس وقت بیان سے اصل مقصود ہے۔ اور مجھے ان آیتوں سے بھی نتیجہ نکالنا ہے تو دنیا میں دو ہی چیزیں ہوتی ہیں مال اور جاہ اور یہی دو چیزیں ایسی ہیں جو ہر ایک کو محبوب ہیں۔

دنیا کی تعریف وحقیقت

چنانچہ کیمیا جو ہر ایک کو ایسی محبوب ہے کہ اگر کسی کو بتلائی جاوے تو اہل اللہ کے سوا کوئی ایسا نہیں کہ اس سے انکار کرے تو اس کی یہی وجہ ہے کہ اس میں مال و جاہ دونوں جمع ہیں اور اس کے سوا دنیا میں بہت کم ذرائع ایسے ہیں کہ اس میں مال اور جاہ دونوں جمع ہوں اکثر جاہ بدوں مال کے تلف کئے ہوئے نہیں ملتا اور اس میں مال و جاہ دونوں جمع ہیں اس لئے یہ اس درجہ کی محبوب ہے پس ثابت ہوا کہ یہ دونوں چیزیں نہایت ہی محبوب ہیں اور انہیں کا نام دنیا بھی ہے تو اب میرا یہ کہنا کہ دنیا مطلوب ہے یا نہیں اس میں مال و جاہ دونوں آ گئے تو اب دنیا سے مراد ان دونوں کا مجموعہ ہوگا۔ پس حاصل یہ ہوا کہ مال و جاہ(۱) مطلوب ہیں یا نہیں حق تعالیٰ نے اس کا فیصلہ ان آیات میں فرمایا ہے۔

مال کی محبوبیت

پس منافقین کے اول مقولہ کے بعد فرماتے ہیں: ﴿ وَلِلّٰهِ خَزَائِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ ''یعنی اللہ ہی کے ہیں تمام خزانے آسمانوں کے اور زمین کے'' اس سے تو احکام مال کے بتلانا مقصود ہیں اور دوسرے مقولہ کے بعد فرماتے

(۱) مال وعزت۔

ہیں: ﴿وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ ''یعنی اللہ ہی کی ہے عزت اور اس کے رسول ﷺ کی اور مسلمانوں کی'' اس سے احکام جاہ کا بتلانا مقصود ہیں۔ پس اب اس میں غور کرنے کی ضرورت ہے سو غور کرنے سے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک یہ کہ مال فی نفسہٖ محمود ہے دوسرے یہ کہ مال سے اگر کوئی مفسدہ مرتب ہونے لگے تو مذموم ہے۔ مال کا فی نفسہ محمود ہونا تو اس لئے معلوم ہوا کہ اپنے کو: (مالك الاموال) ''سب مالوں کا مالک'' فرمارہے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے: ﴿وَلِلّٰهِ خَزَائِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ ''یعنی آسمانوں اور زمین کے خزانے اللہ ہی کی ملک میں ہیں'' پس اگر مال فی نفسہٖ کوئی بُری اور معیوب (۱) چیز ہوتی تو جس طرح سے خصوص کے ساتھ اپنے کو'' خالق الكلاب والخنازير ''(۲) نہیں فرمایا' اسی طرح اپنے کو خصوص کے ساتھ (مالك الخزائن) ''خزانوں کا مالک'' نہ فرماتے اور اس میں نقود وعروض (۳) سب داخل ہوگئے۔

مال کا ناپسندیدہ درجہ

اور مال کا باعتبار عارض کے مذموم ہونا اس سے معلوم ہوا کہ مال سے ان کو یہ ضرر ہوا کہ انہوں نے اس کو بے موقع استعمال کیا۔ چنانچہ کہا کہ: ﴿لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ﴾ ''یعنی جو لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس جمع ہیں ان پر کچھ مت خرچ کرو'' سو اپنے تمول (۴) کو وہ اس طرح کام میں لائے کہ مسلمانوں پر خرچ کرنا موقوف کر دیا جس سے ان کو تکلیف پہنچی تو یہ سوءِ استعمال (۵) ہوا مال کا' پس حق تعالیٰ نے اس پر رد فرمایا کہ تم کیا چیز ہو خزانے تو سارے ہمارے پاس ہیں پس ان کی یہ مذمت سوءِ استعمال کی وجہ سے کی

(۱) اگر مال اپنی ذات کے اعتبار سے کوئی بُری اور ناپسندیدہ چیز ہوتی (۲) کتے اور خنزیر کو پیدا کرنے والا نہیں فرمایا (۳) روپیہ اسباب (۴) مال داری (۵) بُرا استعمال۔

گئی پس اس سے دوسری بات بھی ثابت ہوگئی کہ جب مال کے ساتھ سوءِ استعمال ہوتو وہ مذموم ہے۔

عزّت کا پسندیدہ و ناپسندیدہ درجہ

اسی طرح دوسرے مقولہ کے بعد فرمایا: ﴿وَلِلّٰہِ الْعِزَّۃُ وَلِرَسُوْلِہٖ وَلِلْمُؤْمِنِیْن﴾ ''یعنی عزت اللہ ہی کی ہے اور اس کے رسول ﷺ کی اور مسلمانوں کی'' تو یہاں بھی بتلادیا کہ جاہ فی نفسہٖ مذموم نہیں مگر سوءِ استعمال کی وجہ سے مذموم ہوجاتا ہے(۱) پس اس سے بھی دو باتیں معلوم ہوئیں ایک یہ کہ جاہ فی نفسہٖ محمود ہے۔ دوسرے یہ کہ جب سوءِ استعمال ہوتو مذموم ہے' جاہ کا فی نفسہٖ محمود ہونا تو اس سے معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ نے: ﴿وَلِلّٰہِ الْعِزَّۃُ﴾ ''عزت اللہ ہی کی ہے'' فرمایا تو اپنے لئے عزت ثابت فرمائی اگر جاہ کوئی بُری چیز ہوتی تو اپنے لئے ثابت نہ فرماتے اب اگر یہ شبہہ ہو کہ جاہ اچھی چیز تو ہے لیکن یہ ممکنات کے لئے نہیں بلکہ حق تعالیٰ کے لئے ہے تو سمجھو کہ آگے: ﴿وللمؤمنین﴾ ''اور مسلمانوں کے لئے'' بھی تو ہے تو پس مسلمانوں کا ذی عزت ہونا قرآن مجید سے ثابت ہے تو یہ شبہہ نہ رہا کہ شاید ممکنات کے لئے محمود نہ ہو اور جاہ کا مذموم ہونا اس سے معلوم ہوا کہ ساتھ ہی ساتھ منافقین کی اس بات پر مذمت بھی فرمائی ہے کہ انہوں نے اس کا بے موقع استعمال کیا چنانچہ انہوں نے کہا کہ: ﴿لَیُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْھَا الْاَذَلَّ﴾ یعنی جو عزت والا ہے وہ مدینہ سے ذلت والے کو نکال دے گا تو ان کا یہ کہنا سوءِ استعمال ہوا جاہ کا(۲) کہ ذریعہ بنایا جاہ کو مسلمانوں کے ضرر کا اس پر حق تعالیٰ نے ردفرمایا کہ تم ہو کیا چیز معزز تو خدا اور رسول ﷺ و مسلمان ہیں پس ان کی یہ مذمت سوءِ استعمال کی وجہ سے کی گئی۔

(۱) برے استعمال کی وجہ سے ناپسندیدہ ہے (۲) اقتدار کا غلط استعمال۔

آیت سے ماخوذ چار مسئلے

پس ان دونوں آیتوں سے چار مسئلے ثابت ہوئے۔ ایک یہ کہ مال اچھی چیز ہے، دوسرا یہ کہ جاہ اچھی چیز ہے، تیسرا یہ کہ مال کو ناجائز طور پر استعمال کرنا مذموم ہے، چوتھا یہ کہ جاہ کو ناجائز طور پر استعمال کرنا مذموم ہے۔ تو ان چاروں مسئلوں کے مان لینے سے اگر دونوں جانب انصاف ہو تو سب اختلاف رفع (۱) ہو جاوے کیونکہ جب یہ ثابت ہو گیا کہ مال بُری چیز نہیں ہے تو اب مال کو مطلقاً بُرا کہنا ٹھیک نہ ہوگا اسی طرح جاہ کو بھی اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ مال و جاہ ناجائز طور پر استعمال کرنا مذموم (۲) ہے تو وہ لوگ باز آویں گے جو مال و جاہ کو علی الاطلاق محمود (۳) و مطلوب کہہ رہے ہیں تو اتنے بڑے اختلاف کا فیصلہ ہو جاوے گا اور یہی مقصود ہے مجھے بیان کرنے سے اور یہ اجمال کے درجہ میں تو ثابت ہو گیا مگر میں تفصیل کے لئے کچھ اور بیان کروں گا اور گو مقصود معلوم ہو گیا ہو مگر ابھی بہت مبہم (۴) ہے اس لئے اس کا عنوان بھی واضح اختیار کرنا چاہتا ہوں پس دوسرے عنوان سے عرض کرتا ہوں کہ ایک تو ہے مال اور ایک ہے حُبِّ مال اسی طرح ایک ہے جاہ اور ایک ہے حُبِّ جاہ۔ تو مذمت مال کی نہیں ہے بلکہ حُبِّ مال کی ہے جس سے بُرے آثار پیدا ہوتے ہیں تو مذموم دو چیزیں ہوئیں، حُبِّ مال اور حبِّ جاہ۔

حقیقت مال و جاہ

باقی رہے مال اور جاہ سو یہ دونوں مذموم نہیں کیونکہ حق تعالیٰ امتنان کے طور پر (۵) فرماتے ہیں: ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا﴾ (۶) کہ ہم مومنین اہل عمل صالح کے لئے محبوبیت پیدا

(۱) دور (۲) برا ہے (۳) جو ہر قسم کے مال و جاہ کو پسندیدہ کہتے ہیں (۴) ابھی یہ بات نامکمل ہے (۵) نعمت عطا کرنے کے طور پر (۶) سورہ مریم: ۹۲۔

کردیں گے اور محبوبیت ہی کا نام جاہ ہے لوگ جاہ کے معنی بھی غلط سمجھتے ہیں کہ لوگ ہمارے خوف کی وجہ سے ہماری تعظیم کریں حالانکہ جاہ کی حقیقت ہے مـــــلك القلوب (۱) پس مـلك المال (۲) تو تمول ہے اور مـلك القلوب جاہ ہے اور خوف اور ہیبت ہو تو وہ صورتِ جاہ ہے حقیقت جاہ نہیں اور یہ خود ہی اپنے کو معزز سمجھتے ہیں ورنہ لوگوں کے دلوں میں کچھ بھی ان کی عزت نہیں ہوتی چنانچہ ان کے پیچھے لوگ ان کو گالیاں دیتے ہیں حدیث میں ہے کہ بعضے لوگ اپنی نظر میں بڑے ہوتے ہیں اور وہ خدا تعالیٰ کے نزدیک کلاب اور خنازیر (۳) سے بدتر ہوتے ہیں اور ان کے سامنے خوف کی وجہ سے لوگ تعظیم کرتے ہیں، تو یہ کوئی عزت نہیں ہے۔ کیونکہ ایسی عزت تو سانپ کی بھی ہے ایک مرتبہ دہلی میں بیان کررہا تھا رات کا وقت تھا کہ کچھ آہٹ ہوئی جس سے لوگوں کو سانپ کا شبہہ ہوا بس سانپ کے ڈر سے سب لوگ کھڑے ہوگئے تو کیا یہ اس کی عزت تھی ہرگز نہیں تو جو تعظیم خوف کی وجہ سے ہو وہ جاہ نہیں ہے جاہ تو یہ ہے کہ ؎

صاحب دہ بادشاہ جسمہاست صاحب دل شاہ دلہائے شماست

''یعنی گاؤں کا مالک جسموں کا بادشاہ ہے اور اہل دل دلوں کا بادشاہ ہے''

تو جسموں کا شاہ ہونا جاہ نہیں ہے بلکہ دلوں کا شاہ ہونا جاہ ہے اور یہ بات محبوبیت سے ہی نصیب ہوتی ہے۔ پس محبوبیت (۴) ہی اعلیٰ درجہ کی جاہ ہے اسی کو حق تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا﴾ ''اللہ تعالیٰ ان کے لئے محبوبیت پیدا کردیں گے'' پس معلوم ہوا کہ جاہ بُری چیز نہیں بلکہ یہ تو ایک اچھی چیز ہے کہ حق تعالیٰ بطورِ امتنان (۵) اپنے صالح بندوں کو عنایت فرمانا

(۱) دلوں کا مالک ہونا (۲) مال کا مالک ہونا (۳) کتے اور سور (۴) لوگوں کے دلوں میں اس کی محبت پیدا ہوجانا (۵) نعمت کے طور پر۔

بتلا رہے۔ اسی طرح مال کی نسبت حضور ﷺ فرماتے ہیں: ((نعم المال الصالح للرجل الصالح)) ''نیک آدمی کے لئے نیک مال اچھی چیز ہے'' پس مال اور جاہ مذموم خود (۱) نہیں ہیں۔

حُبِّ مال اور حُبِّ جاہ کی بُرائی

بلکہ مذموم حُبِّ مال اور حُبِّ جاہ ہیں جس کی نسبت حضور ﷺ فرماتے ہیں: ((ماذئبان جائعان ارسلا فی غنم بافسد لها من حبّ المال والشرف الدین المرء)) ''یعنی حُبِّ مال اور حُبِّ شرف آدمی کے دین کو ایسا تباہ کرتی ہے کہ اگر دو بھیڑیے بھوکے بھی بکریوں کے گلے میں چھوڑ دیئے جاویں تو وہ بھی بکریوں کو اس قدر تباہ نہیں کر سکتے'' پس حضور ﷺ نے حُبّ کا لفظ تصریحاً فرمادیا تو حبّ بُری چیز ہے اب جہاں مال کی مذمت آوے اور اس کے ساتھ حُبِّ کی قید نہ ہو تو سمجھ لیں کہ اس سے مراد وہی حُبِّ کا درجہ ہوگا کیونکہ بعض قرائن ایسے موجود ہوتے ہیں جن سے وہ قید معلوم ہو جاتی ہے اور اس کے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں رہتی تو چونکہ غالب عادت یہی ہے کہ جب مال ہوتا ہے تو حب مال بھی ہوتی ہے پس یہ اس کا قرینہ ہے کہ مال سے مراد وہی ہے جو حُبِّ کے درجے میں ہو جیسے کہ کوئی شخص پوچھے کہ رہن رکھنا کیسا ہے تو چونکہ عادت رہن سے انتفاع (۲) کی ہے لہذا یہ بھی گنجائش ہے کہ ہم جواب میں اس کو حرام کہہ دیں۔

قرائن کی وجہ سے ترکِ قیود درست ہے

تو بعض اوقات قرائن پر اعتماد کرنے کی وجہ سے قیود کو چھوڑ دیا جاتا ہے اور اس کی حدیث سے تائید لیجئے حضور سرور عالم ﷺ فرماتے ہیں کہ: ((لیس من

(۱) اپنی ذات کے اعتبار سے بُرے نہیں ہیں (۲) رہن سے فائدہ اٹھانے کی عادت ہے۔

البر الصیام فی السفر))''یعنی سفر میں ایسی حالت میں روزہ رکھنا نیکی نہیں ہے'' یہ آپ ﷺ نے اس وقت فرمایا تھا جبکہ ایک شخص نے نہایت سختی کی حالت میں سفر کے اندر روزہ رکھا تھا اور گرمی اور پیاس کی شدت کی وجہ سے بے ہوش ہوگیا تھا تو کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ سفر میں روزہ ہی رکھنا نہ چاہئے ہرگز نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ ایسی حالت میں روزہ رکھنا اچھا نہیں پس مراد خالص حالت ہے مگر ایسی حالت کی قید تصریحاً نہیں فرمائی کیونکہ قرینہ تخصیص موجود ہے تو اسی طرح اگر کوئی مال کی مذمت(۱) کرے تو مطلب یہی ہوگا کہ حُبّ کے درجہ میں مذموم ہے اسی طرح قرآن شریف سے اس کی تائید لیجئے: ﴿وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ﴾(۲)''یعنی دنیاوی زندگانی تو کچھ بھی نہیں بجز کھیل کود کے'' اس آیت میں حیاتِ دنیا کی مذمت فرمائی ہے اور دوسری جگہ اس کی مدح بھی کی ہے چنانچہ ارشاد ہے: ﴿اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ﴾(۳)''یعنی کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہ دی تھی سمجھ سکتا اس میں وہ شخص جس کو سمجھنا ہوتا'' تو مطلب یہ ہے کہ حیاتِ دنیا جب بُرے کاموں میں صَرف کی جاوے تو وہ لہو ولعب ہے ورنہ اچھی چیز ہے' بلکہ حیات تو وہ چیز ہے کہ اس کی فضیلت کے متعلق خود حضور ﷺ کا فتویٰ ہے حدیث میں آیا ہے کہ دو شخص ساتھ ایمان لائے ان میں سے ایک تو جہاد میں شریک ہوگیا دوسرے کا اس سے ایک ہفتہ بعد انتقال ہوا' صحابہ نے اس کے لئے دعا کی کہ اے اللہ اس کو اس کے ساتھی کے ساتھ لاحق کر دیجئے یعنی گویہ اس کے درجہ کا نہیں مگر اس کے درجہ میں پہنچا دیجئے' حضور سرور عالم ﷺ نے اس کو سنا تو فرمایا کہ اس کے اس ہفتہ کے عمل کہاں گئے واللہ اس کے اور اس کے درجہ میں اتنا فرق ہے جیسے زمین اور آسمان' تو دیکھئے کہ حیات دنیا ایسی چیز ہے کہ صرف ایک ہفتہ کی زیادہ زندگی سے اس نے اتنی

(۱) برائی (۲) سورۂ انعام: ۳۲ (۳) سورۂ فاطر: ۳۷۔

فضیلت حاصل کرلی مگر باوجود اس کے پھر بھی اس زندگی کو لہو ولعب فرمایا تو یہ اسی حالت کے اعتبار سے جبکہ اس کو بُرے کاموں میں صَرف کیا جاوے تو دیکھئے حیات کی مذمت ایک خاص حالت کے اعتبار سے ہے حالانکہ وہاں اس قید کی تصریح نہیں ہے پس قرآن سے بھی اس کی تائید ہوگئی کہ بعض اوقات لفظوں میں ایک قید نہیں ہوتی اور ارادہ میں ہوتی ہے۔

حُبِّ دنیا کی بُرائی

ہاں یہ دوسری بات ہے کہ اس وقت چونکہ لوگ بہت بے خبر ہوگئے ہیں اس لئے بہتر یہی ہے کہ مذمت کرتے وقت حُبّ کا لفظ بڑھا دیا کریں اور یہاں سے سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ حضور ﷺ نے ((حُبّ الدنیا رأس کل خطیئةٍ)) ''یعنی دنیا کی محبت تمام گناہوں کی جڑ ہے'' کیوں فرمایا اور یہ بھی معلوم ہوگیا ہوگا کہ جہاں مطلق دنیا کو فرمایا ہے وہاں بھی یہی مراد ہے ورنہ ارشاد ہے: ((کسب الحلال فریضة بعد الفریضة)) ''حلال کمائی فرض ہے بعد فرائض کے'' ہاں یہ قید ہے کہ وہ فرض ہے بعد فرض کے۔ دیکھئے کسب الدنیا کو (۱) اس جگہ فرض فرمارہے ہیں پس اب سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ دنیا کو جو ملعون کہا جاتا ہے اس سے مراد حُبِّ دنیا ہے اب لوگ چونکہ اس کا مطلب نہیں سمجھتے اس لئے کہتے ہیں کہ لو دنیا ہی کو ملعون کہتے ہیں آپ ان سے خفا ہوتے ہیں لیکن خود دنیا ان سے خفا نہیں ہوتی کیونکہ دنیا خود ان کے پاس آتی ہے تو خفگی (۲) میں کیسے آتی اور وہ دنیا طلب کرنے کے لئے کسی کے پاس نہیں جاتے کیا آپ نے کسی بزرگ کو بھی بادشاہ کے دروازے پر دیکھا ہے کہ مانگنے گئے ہوں؟

(۱) دنیا کمانے کو (۲) ناراضگی۔

بناوٹی بزرگ

اگر کہئے کہ گئے ہیں تو وہ ایسے ہی بزرگ ہوں گے جیسے کہ میری تفسیر لکھنے کے زمانہ میں ایک شاہ صاحب بھیک مانگنے آئے تھے۔ بڑے ٹھاٹھ کے ساتھ کہ ایک جبہ پہنے ہوئے تھے تسبیح ہاتھ میں تھی اور گلے میں بھی' دروازے پر کھڑے ہوکر آپ نے سوال کیا' مکان سے کوئی چیز بھیجدی گئی' آپ نے اس کو واپس کردیا کہ میں کوئی معمولی فقیر نہیں ہوں یہ لوں گا وہ لوں گا' غرضکہ وہ جھگڑا کرنے لگے' حتی کہ ان کی آواز مجھ تک پہنچی میں کوٹھے پر بیٹھا ہوا تفسیر لکھ رہا تھا طبیعت پریشان ہونے لگی آخر میں اُدھر سے اُتر آیا اور میں نے کہا کہ شاہ صاحب آپ جھگڑا کیوں کرتے ہیں جو توفیق ہوئی وہ پیش کردیا' آپ دھمکا کر کہنے لگے ؎

ہر بیشہ گماں مبرکہ خالی ست شاید کہ پلنگ خفتہ باشد

''ہر جنگل میں یہ گمان نہ کرو کہ خالی ہے ممکن ہے کہ چیتا سوتا ہوا ہو''

یعنی ہر شخص کی نسبت یہ گمان نہ کرنا چاہیئے کہ یوں ہی حقیر و معمولی شخص ہے

میں نے کہا حضرت میں بھی یہی شعر پڑھتا ہوں کہ ہر بیشہ گماں مبرکہ خالی ست آپ کو بھی میری نسبت یہی گمان کرنا چاہیئے اس پر وہ بہت چلّائے اور چلے گئے اور پڑوس سے ایک رضائی یا ایک دری لے گئے' تو ان کو یا ایسے لوگوں کو اگر کوئی بزرگ سمجھے تو اس کا تو کوئی علاج ہی نہیں۔

حقیقی بزرگ

بزرگ تو یہ ہیں کہ حضرت غوث پاک صاحبؒ کے پاس ملک سنجر نے لکھا تھا کہ میں ملک نیمروز کا ایک جزو آپ کے لئے مقرر کرنا چاہتا ہوں' آپ نے اس

کو نامنظور کیا اور لکھ دیا ۔

چوں چتر سنجری رخ بختم سیاہ باد دردل اگر بود ہوس ملک سنجرم

''چتر سنجری کی طرح میرا منہ کالا ہو اگر میرے دل میں ملک سنجر کا وسوسہ بھی ہو''

زانکہ یافتم خبر از ملک نیم شب من ملک نیمروز بیک جو نمی خرم

'مجھے جب سے ملکِ نیم شب کی سلطنت حاصل ہے نیمروز کی سلطنت میری نظر میں ایک جو کے برابر بھی نہیں''

نیم شب اور نیم روز کا کیا اچھا مقابلہ ہے پس بزرگ تو دنیا داروں کے دروازوں پر کبھی نہ آئے ہوں گے اور دنیا دار اپنی دنیاوی حاجتیں لے کر پچاس دفعہ ان کے دروازے پر گئے ہوں گے۔

ترکِ دنیا کا فائدہ

اب بتلایئے کہ ترکِ دنیا کیسی چیز ہے کہ تارکین دنیا تو طالبین دنیا کے در پر نہیں جاتے اور طالبین دنیا کو ان کے در پر جانا پڑتا ہے پس اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بزبانِ حال دنیادار خود اقرار کر رہے ہیں کہ ترکِ دنیا اچھی چیز ہے اور (اتتہ الدنیا وھی راغمہ) ''ان کے پاس دنیا خاک ملتی ناک رگڑتی آتی ہے'' کے یہی معنی ہیں کہ دنیادار ان کے پاس آتے ہیں ہمارے حضرت حاجی صاحبؒ فرماتے تھے کہ جو شخص دنیا کا طالب ہو اور اس کو حاصل کرنا چاہتا ہو تو اس کے حاصل کرنے کا یہی طریقہ ہے کہ تارکِ دنیا ہو جاوے۔ خیر یہ تو اس پر یاد آ گیا تھا کہ لوگ دنیا کو ملعون کہنے سے بُرا مانتے ہیں۔

حُبِّ دنیا کے درجات

اصل مقصود یہ بیان کرنا تھا کہ دنیا کی مذمت نہیں ہے بلکہ حُبِّ دنیا کی مذمت ہے دیکھئے اس میں بھی شریعت کا کتنا بڑا احسان ہے کہ حُبّ الدنیا کی قید لگا دی اور اسی کی ممانعت کی اور مطلق دنیا کی ممانعت نہیں کی اس سے زیادہ اور کیا رعایت ہوگی کہ اول تو یہیں سے آنسو پونچھ دے پھر اور بھی وسعت کی کہ حُبّ میں بھی تفصیل کر دی یعنی حُبّ کے دو درجے قرار دیئے اس میں سے صرف ایک درجہ کی ممانعت کی اور دوسرے درجہ کی ممانعت نہیں کی اور یہ ایک آیت میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے وہ آیت یہ ہے:﴿قُلْ اِنْ كَانَ آبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَ اَمْوَالُ ۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَا اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ ﴾(۱) ’’یعنی اے نبی ﷺ آپ کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیبیاں اور وہ تجارت جس میں نکاسی نہ ہونے کا تم کو اندیشہ ہو اور وہ گھر جن کو تم پسند کرتے ہو تم کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پیارے ہوں تو تم منتظر رہو کہ اللہ تعالیٰ اپنا عذاب بھیج دیں‘‘

حاصل یہ ہے کہ اگر دنیا کی چیزیں اللہ، رسول ﷺ اور ان کے احکام سے زیادہ محبوب ہوں تو عذاب کے لئے تیار ہو جاؤ۔ پس اس آیت میں حق تعالیٰ نے ان چیزوں کی احب ہونے پر وعید فرمائی اور محبوب ہونے پر نہیں فرمائی پس اس سے معلوم ہوا کہ نفس محبوبیت بھی مذموم نہیں ہے اور اس سے اس حُبِّ دنیا کی بھی تفسیر کر دی جس کی حدیث:((حُبّ الدنیا راس کل خطیئة))’’یعنی دنیا کی

(۱)سورۂ توبہ:۲۴۔

محبت تمام گناہوں کی جڑ ہے'' وغیرہ میں مذمت فرمائی ہے کہ اس سے مراد احبیت (۱) کا درجہ ہے اس آیت میں تو یہ بات مصرح ہے کہ نفسِ حُبِّ مذموم (۲) نہیں۔

حُبِّ دنیا کا ناپسندیدہ درجہ

اور ایک دوسری آیت سے بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو استنباط کیا ہے وہ یہ ہے: ﴿زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الْمَاٰبِ﴾ (۳) ''یعنی خوشنما معلوم ہوتی ہے لوگوں کو محبت مرغوب چیزوں کی عورتیں ہوئیں' بیٹے ہوئے' لگے ہوئے ڈھیر ہوئے سونے چاندی کے نشان لگے ہوئے گھوڑے ہوئے' مویشی ہوئے اور زراعت ہوئی یہ دنیاوی زندگی کی استعمالی چیزیں ہیں اور انجام کار کی خوبی تو اللہ ہی کے پاس ہے''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جب سامان کسریٰ کا آیا تو کروڑوں روپے کا سامان تھا آپ نے دیکھ کر یہ آیت پڑھی' جس کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کے دلوں میں ان چیزوں کی محبت مزین کردی گئی ہے یعنی محبت ان کی طبعی امر (۴) ہے اور یہ سب حیاتِ دنیا کا سامان ہے سو دنیا کی محبت کو امر طبعی فرمایا۔ بس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس آیت کو پڑھ کر یہ دعا کی کہ اے اللہ اس پر تو ہم قادر نہیں کہ دنیا کی محبت نہ رہے کیونکہ وہ امر طبعی ہے لیکن اے اللہ ہم یہ درخواست کرتے ہیں کہ یہ محبت آپ کی محبت کی معین ہوجاوے مزاحم (۵) نہ ہو' پس اس میں فیصلہ کردیا ہے کہ احبیت مذموم ہے نہ کہ نفس محبوبیت اور احبیت کی تفسیر بھی کردی کہ جو تیری محبت کے معارض (۶) ہو پس نتیجہ یہ نکلا کہ مال بھی اچھا اس کا کمانا بھی اچھا اس کی

(۱) زیادہ محبوب ہونا (۲) نفس پسندیدگی دنیا بُری نہیں (۳) سورۂ آلِ عمران: ۱۴ (۴) فطرتی ہے (۵) آپ کی محبت کی مددگار ہوجائے اُس پر غالب نہ آئے (۶) تیری محبت سے ٹکرائے۔

محبت بھی اچھی اسی طرح جاہ بھی مگر ان کی احبیت بُری ہے(۱) یعنی دنیا کو خدا و رسول ﷺ سے زیادہ محبوب نہ سمجھو اور اس کی علامت یہ ہے کہ دین پر دنیا کو ترجیح نہ دو اگر کسی صورت میں دنیا کے حاصل کرنے سے دین کا کوئی حرج ہوتا ہو اور خدا اور رسول ﷺ کے حکم کے خلاف ہوتا ہو تو اس صورت کو چھوڑ دو چاہے دنیا کا کتنا ہی نقصان ہو کیونکہ خدا اور رسول ﷺ کی محبت کی حقیقت کیا ہے یہی تو ہے کہ ہر فعل و ہر قول میں اس کی خوشی کو مقدم اور مطلوب سمجھیں۔

اللہ اور رسول ﷺ سے محبت کا درجہ مطلوب

اور اس کا نام محبت نہیں ہے کہ کسی مضمون کو سن کر رونے لگے' صرف رونے سے کیا ہوتا ہے ۔

عرفی اگر بگریہ میسر شدی وصال صد سال مے تواں بتمنا گریستن

''یعنی اگر رونے سے وصال محبوب ہو جایا کرے تو سو برس اس کی آرزو میں رو سکتے ہیں''

سو یہ محبت نہیں ہے کہ مضمون سن کر تو رو دیتے ہیں لیکن نہ اتباع ہے نہ عمل ہے ہاں یہ بھی محبت کا ایک درجہ ہے مگر یہ درجہ مطلوب نہیں۔(تعصی الرسول وانت تظهر حبه هذی العمری فی الفعال بدیع لوکان حبك صادقًا لاطعته ان المحب لمن یحب یطیع) ''یعنی تم رسول اللہ ﷺ کی محبت تو ظاہر کرتے ہو اور پھر ان کی مخالفت بھی کرتے ہو یہ عجیب بات ہے ایسا کب ہو سکتا ہے اگر تم کو واقعی محبت ہوتی تو تم ضرور ان کی اطاعت کرتے کیونکہ جو محبّ ہوتا ہے وہ محبوب کی اطاعت ہی کیا کرتا ہے'' سو محبت مامور بہا(۲) یہ ہے' اور جس کو آپ محبت سمجھ رہے ہیں وہ تو فطری محبت ہے ایسی محبت تو خدا و رسول ﷺ کے

(۱) حد سے زیادہ محبت بُری ہے (۲) جس چیز کا حکم کیا گیا ہے۔

ساتھ ہر شخص کو ہے حتی کہ کفار کو بھی اور یہ خدا کے ساتھ ہونا تو ظاہر ہے کہ جو شخص خدا کو پہچانے گا اس کو خدا تعالیٰ کے ساتھ فطری محبت ہوگی باقی حضور ﷺ کے ساتھ ہونا سو وہ اس لئے کہ جو لوگ دشمن ہیں وہ آپ کے اخلاق وغیرہ سے واقف نہیں ان کو حضور ﷺ کی سوانح عمری صحیح طور پر نہیں پہنچی تو حضور ﷺ کو بھی جو پہچانے گا اُس کو آپ کے ساتھ محبت ضرور ہوگی کیونکہ جو محبت کا منشاء ہے یعنی اخلاقِ حسنہ وہ حضور ﷺ میں اکمل اور اتم درجہ میں موجود ہیں اس لئے خواہ مخواہ ایک قسم کی محبت ہوجائے گی مثلاً رستم سے ہم کو کیا تعلق ہے کچھ بھی نہیں مگر بچپن میں جو ہم شاہنامہ پڑھا کرتے تھے اس میں اس کی شجاعت بہادری کا ذکر دیکھ کر دل میں بے اختیار محبت پیدا ہوگئی' سو کافر بھی اگر منصف ہو تو ضرور حضور ﷺ سے محبت کرے گا بس اگر مسلمان نے بھی ایسی ہی محبت کی جیسی کافر بھی کرتے ہیں تو کیا کمال کیا' مسلمان کی تو یہ حالت ہونی چاہئیے کہ ؎

زندہ کنی عطائے تو در بکشی فدائے تو دل شدہ مبتلائے تو ہر چہ کنی رضائے تو

''یعنی اگر زندہ رکھیں یہ آپ کی عطا ہے اور اگر قتل کریں آپ پر قربان ہوں' دل آپ پر فریفتہ ہوگیا ہے جو کچھ کریں آپ سے راضی ہوں''

پس محبت ایسی ہونی چاہئیے لیکن آج کل یہ بات کہاں ہے جب ہم اقوال افعال میں حضور ﷺ کی مخالفت کرتے ہیں تو پھر ہم کو محبت کہاں ہوئی؟۔

محبت کا مقتضیٰ

صاحبو! اگر کسی کسبی پر(۱) عاشق ہوجاویں تو پھر دیکھئے کہ کیا حال ہوتا ہے' جو کچھ وہ کہے کرنے کے لئے تیار نہ مال کا خیال نہ عزت کی پروا تو کسبی کے عشق میں تو یہ حال ہے ؎

(۱) کسی بازاری عورت پر۔

ترا عشق ہمچو خودی ز آب و گل ربایدہمی صبر و آرام دل

''یعنی تمہارا عشق اپنے جیسے پانی اور مٹی سے بنے ہوئے کے ساتھ دل سے آرام وصبر کو دور کر دیتا ہے''

اُس پر ایسے دیوانے ہوجاتے ہیں کہ اگر وہ اپنے ہاتھ سے پیٹ بھی لے تو گوارا ہے اور کچھ رنج نہیں ہوتا کیونکہ ؎

نہ ساز و عشق را کنجے سلامت خوشا رسوائی کوئے ملامت

''عشق گوشہ سلامتی کی موافقت نہیں کرتا بلکہ کوئے ملامت کو چاہتا ہے سو محبوب کے کوچہ کی رسوائی بہت اچھی چیز ہے''

حضور ﷺ کی محبت کا مقتضٰی

سو یہاں تو یہ حال ہے اور خدا اور رسول ﷺ کی محبت میں یہ حالت ہے کہ زبان سے تو محبت کا دعوے ہے مگر اتباع نبوی ﷺ میں ہزاروں خدشے کہ اگر ایسا کریں گے تو یوں طعن ہوگا' سو یہ کیسی محبت ہے اگر واقعی محبت ہوتی تو مخالفت ترک کرنے کے لئے اتنی ہی بات کافی تھی کہ بعضے روایات میں آیا ہے کہ ہر ہفتہ میں حضور ﷺ کے سامنے دو بار امّت کے اعمال پیش ہوتے ہیں' اور یہ ظاہر ہے کہ حضور ﷺ کو امّت دعوت سے بھی بہت تعلق تھا تو بھلا امّت اجابت(۱) سے تو کتنا ہوگا اور یہ بھی ظاہر ہے کہ جتنا تعلق ہوتا ہے ویسا ہی اس کی تباہی سے صدمہ ہوتا ہے اور دل دکھتا ہے تو اگر ہم کو حضور ﷺ کے ساتھ واقعی محبت ہوتی تو ہم محض اس خیال سے کہ جب حضور ﷺ کے سامنے ہماری نافرمانیاں پیش ہوں گی تو حضور ﷺ کا

(۱) قیامت تک پیدا ہونے والے لوگ آپ کی امّتِ دعوت ہیں اور ان میں سے جنہوں نے اسلام قبول کرلیا وہ امّتِ اجابت ہیں کہ انہوں نے آپ کی دعوت وتبلیغ کو قبول کرلیا۔

دل دکھے گا اپنی ان حرکات سے باز آجائیں حاصل یہ ہے کہ اللہ ورسول ﷺ کی محبت مامور بہا یہ ہے کہ عمل اور اطاعت کی محبت ہو۔

حُبِّ دنیا کی پہچان

پس جبکہ یہ بات معلوم ہوگئی تو اب یہ سمجھنا چاہیئے کہ احبیت جو کہ مذموم ہے اس کی علامت کیا ہے تو اس کا فیصلہ یہ ہے کہ دو حالتیں ایک تو وہ کہ جہاں دونوں کا اجتماع ہوسکتا ہے یعنی دین و دنیا دونوں حاصل ہوسکتے ہیں تو اس حالت میں تو معلوم نہیں ہوگا کہ ان میں زیادہ محبوب اس کے نزدیک کونسی شے ہے' اور دوسری حالت یہ ہے کہ دین و دنیا میں تعارض ہو اور دونوں کا اجتماع نہ ہوسکتا ہو تو اس حالت میں معلوم ہوجاوے گا کہ یہ کس کو زیادہ محبوب رکھتا ہے۔

دیکھئے اگر آپ کو دو دوستوں سے محبت ہو اور آپ یہ معلوم کرنا چاہیں کہ ان دونوں میں سے کس کی محبت زیادہ ہے تو یہ اس وقت معلوم ہوگی جبکہ ان دونوں میں لڑائی ہوجاوے جس سے زیادہ محبت ہوگی آپ اُسی کے ساتھ ہوجاویں گے' اسی طرح دین و دنیا میں حب تعارض ہوا کہ اگر دین کی رعایت کرتے ہیں تو دنیاوی مقصد حاصل نہیں ہوتا اور اگر دنیا کی طرف جاتے ہیں تو دین کے خلاف ہوتا ہے تو اس صورت میں اب جس کا اتباع کروگے اسی کا احب ہونا متعین ہوجاوے گا پس اگر اس صورت میں دین کو ترجیح دی تو ظاہر ہوجاوے گا کہ اس کو دین زیادہ محبوب ہے اور اگر دنیا کو ترجیح دی تو ظاہر ہوجاویگا کہ اس کو دنیا زیادہ محبوب ہے جس کی حق تعالیٰ نے ممانعت فرمائی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ہر شخص پر یہی واجب ہے کہ ایسی صورت میں دین ہی کو ترجیح دے۔

حرام مال کمانے کی بے جا تاویل

لیکن اب ایک جماعت اس کے خلاف فیصلہ کرتی ہے اور کہتی ہے کہ دنیا کو لو اور دین کو چھوڑ دو مسلمان کے قلم سے یہ فیصلہ نہایت ظلم کا فیصلہ ہے اس پر شاید کوئی صاحب یہ شبہہ کریں کہ نہیں یہ تو کون کہہ سکتا ہے کہ دنیا کے مقابلہ میں دین کو چھوڑ دینا چاہیئے مگر بعض مرتبہ مجبوراً چھوڑنا پڑتا ہے مثلاً ایک نوکری ہے سو روپے کی اور ایک ہے پانچ سو روپے کی مگر سو والی حلال ہے اور پانچ سو والی حرام تو اب یہاں بوجہ اس کے کہ سو روپے میں اخراجات پورے نہیں ہوتے ہیں مجبوراً دین کو چھوڑنا پڑتا ہے تو یہ اس وجہ سے نہیں کہ دنیا دین سے زیادہ محبوب ہے بلکہ صرف ضرورتوں سے مجبور ہو کر چھوڑتے ہیں گو چھوڑتے ہوئے دل بہت دکھتا ہے تو علماء سے جو اس کے متعلق وہ کچھ کہتے ہیں سو وہ ایک فریاد ہے فیصلہ نہیں ہے' تو اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو یہ فریاد عام نہیں بلکہ زیادہ تو وہ جماعت ہے کہ دین کے چھوڑ دینے سے ان کا دل ہی نہیں دکھتا اور نہ حسرت ہوتی ہے نہ ندامت نہ اپنے کو خطاوار سمجھتے ہیں بلکہ نہایت کوشش اور شوق سے یہ رائے پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس میں حرج ہی کیا ہے اور یوں کہتے کہ اب معاملات کو وسعت ہوگئی ہے لہذا اب احکام کو بھی بدل دینا چاہیئے اور مجھے افسوس ہے کہ اب اخباروں میں بھی اس قسم کے مضمون شائع ہونے لگے چنانچہ مصر سے ایک اخبار آتا ہے اس میں بھی ایک سرخی تھی ''رعایۃ الاصلح فی الشرع''(۱) اور اس سرخی کے ذیل میں ایک مضمون اسی قسم کا لکھا ہوا تھا اور اس کی عبارت عربی تھی تاکہ لوگ یہ خیال کریں کہ جب یہ عربی میں ہے تو ضرور صحیح ہوگا' مگر کیا عربی عبارت میں جو مضمون ہو وہ صحیح ہوتا ہے؟

(۱) شرع میں اصلح کی رعایت ۱۲۔

حکایت

اس پر مجھے یاد آیا کہ ایک ہمارے دوست تھے قاری مغیث الدین صاحب انہوں نے مجھ سے اپنا قصہ بیان کیا کہ جب وہ ''منیۃ المصلی'' پڑھتے تھے اس وقت انہوں نے یہ مسئلہ پڑھا کہ کلامِ ناس (۱) سے نماز ٹوٹ جاتی ہے پس آپ نے کیا کیا کہ ایک مرتبہ مغرب کی نماز ہورہی تھی امام کو سہو ہوا کہ پہلے قعدہ کو اخیر قعدہ سمجھ کر بہت دیر تک جلوس (۲) کیا۔ آپ نے سوچا کہ اردو میں بتلانے سے تو نماز فاسد ہوجاوے گی لاؤ عربی میں کہدو پس آپ نے کہا'' قُـــمْ '' (۳) خیر انکے کہنے سے امام کو بھی یاد آ گیا کہ یہ پہلا قعدہ ہے اس لئے وہ کھڑا ہوگیا اور سلام پھیرنے کے بعد کہا کہ'' قُـمْ '' والے کون تھے؟ آپ بولے میں تھا۔ انہوں نے کہا تم نے نماز میں کلام کیوں کیا آپ فرماتے کیا ہیں کہ میں نے تو عربی میں کہا تھا یہ کلامِ ناس تھوڑا ہی ہے جس سے نماز فاسد ہوجاوے تب ان کو کلامِ ناس کا مطلب سمجھایا گیا' سو بہت لوگوں کا یہ خیال ہے کہ جو عربی میں ہو وہ سب ٹھیک ہے' اجی عربی زبان میں تو گالیاں بھی ہیں تو گالیاں بھی ٹھیک ہیں تو مضمون چاہے عربی میں ہو چاہے انگریزی میں اس میں سب یکساں ہیں کہ جو حق ہے حق ہے جو باطل ہے باطل ہے پس اس قسم کے پرچے نکلنے لگے ہیں۔

اخباری مضامین

میں نے ایک زمانہ میں اخبار کے متعلق کچھ لکھ دیا تھا کہ اخبار ہرگز نہ دیکھنا چاہیئے اس پر اعتراض ہونے لگے کہ لو صاحب اخبار کو بھی منع کرتے ہیں اور واقع میں میں اخبار کو منع نہیں کرتا بلکہ ان انشاءات کو جو ایڈیٹر صاحب کی مثلاً خاص

(۱) نماز میں انسانوں کی طرح کلام کرنے سے چاہے عربی میں ہو (۲) بیٹھا رہا (۳) کھڑے ہوجاؤ۔

الخاص تحقیقات ہوتی ہیں جو اکثر مذہب کے خلاف ہوتی ہیں چنانچہ میں نے ایک اخبار میں دیکھا کہ یہ رائے دی تھی کہ مذاہب کے اختلاف کو بالکل اٹھا دینا چاہئے اس طرح کہ ایک مذہب بیچ بیچ میں تجویز کیا جاوے جس میں ہر مذہب کی رعایت ہو اور اس کو تجویز بھی کر دیا کہ شاید اگلی نسلیں مان لیں اس کا خلاصہ یہ تھا کہ مسلمانوں کو یہ چاہیئے کہ صرف توحید لیں اور رسالت کو جز و مذہب نہ بناویں۔ اور دوسرے مذہب والوں کو چاہیئے کہ کم از کم توحید کو ضرور مان لیں اور لکھا تھا کہ اگر یہ مذہب عام ہو جائے تو یہ روز روز کی لڑائی کٹائی نہ ہو سو ایسے لوگ بھی ہیں میں تو ان کی نسبت کہا کرتا ہوں ؎

گر بہ میر و سگ وزیر موش را دیواں کنند ایں چنیں ارکانِ دولت ملک را ویراں کنند

''یعنی اگر بلی حاکم کتا وزیر اور چوہا دیوان کر دیا جاوے تو یہ ارکانِ دولت ملک کو ویران کر دینگے''

یعنی نااہلوں کو اگر دین کے کام سونپے جائیں تو وہ دین کو برباد کر دیں گے۔

پس میں جو اخبار دیکھنے کو منع کرتا ہوں تو ایسے اخباروں کو اور ان کا دیکھنا واقعی مذموم(۱) ہے اگر اخبار دیکھنے کا شوق ہو تو ان کے علمی مضامین جن میں ایڈیٹر صاحبان کی تحقیقات اور مذاہب کے متعلق رائیں ہوتی ہیں چھوڑ دیا کرو خیر اس کا ذکر تو استطراداً ہو گیا۔

ضروریاتِ زندگی کا معیار

اصل مقصود میرا یہ تھا کہ زیادہ لوگ اسی قسم کے ہیں کہ وہ شوق سے ایسا کرتے ہیں ان کا دل نہیں دکھتا پس ان کے دل میں تو دنیا کی احمیت ظاہر ہے پس

(۱) بُرا ہے۔

اس کا یہ کہنا تو فریاد ہو بھی نہیں سکتا مگر کچھ لوگ پرانی وضع کے بھی ہیں وہ البتہ اس کو ناجائز ہی سمجھتے ہیں اور فریاد کرتے ہیں کہ اگر اس صورت میں دنیا کو چھوڑیں تو گاڑی اٹکتی ہے لیکن ان میں دو قسم کے لوگ ہیں کچھ تو ایسے ہی کہ جتنے اخراجات درحقیقت ضروری ہیں ان کے موافق تو آمدنی ہے مگر فضول اخراجات بڑھا رکھے ہیں اور ان کی ضرورت گھڑ لی گئی ہے اس کا اندازہ یوں ہوگا کہ گھر میں جا کر دیکھو کہ کتنی چیزیں جمع ہیں اور ان میں کس قدر چیزیں کام آتی ہیں عاقل شخص کو عُرف کا پابند نہ ہونا چاہیئے کہ آج کل مونڈھے کرسیاں وغیرہ بھی ضروری ہوگئی ہیں پس جب آپ اس نظر سے چیزوں کو دیکھیں گے تو آدھی سے زیادہ چیزیں آپ کے گھر میں ایسی نکلیں گی کہ ان کے ہونے کی بھی آپ کو خبر نہ ہوگی تو اب آپ ہی بتلایئے کہ کیا یہ چیزیں بھی ضروری ہیں؛ ضروری تو وہ چیزیں ہوئی ہیں جن کے نہ ہونے سے تکلیف ہو اور ان کا معیار آسانی کے لئے میں بتلاتا ہوں کہ جتنی چیزیں سفر میں انسان ساتھ لیتا ہے بس وہ ہیں ضروری سفر میں کیا کوئی ضروری چیز کم ہوجاتی ہے نہیں بلکہ بعض چیزیں اس میں بھی ضرورت سے زائد اور فضول ہوجاتی ہیں۔ پس یہ ہے ضروری سامان سو ظاہر ہے کہ ہر شخص کے گھر میں اتنا سامان نکلے گا جو اس مقدار سے بہت زیادہ ہوگا اسی کو صائب کہتا ہے ؎

حرص قانع نیست صائب ورنہ اسباب معاش آنچہ ما درکار داریم اکثر درکار نیست

''یعنی حرص کی وجہ سے قناعت نہیں ہے ورنہ اسباب معاش جو ہمارے پاس موجود ہیں ان میں اکثر ایسے ہیں جن کی ضرورت نہیں ہے''

دنیا کو ترجیح دینا کسی صورت درست نہیں

پس ضروری اخراجات تو معلوم ہو گئے اب ان سے زائد جو کچھ ہو وہ بیکار ہے سو جن کو اتنا ملتا ہے وہ تو یہ سوال کر ہی نہیں سکتے اب وہ رہ گئے جن کو اتنا بھی نہیں ملتا ان کی فریاد البتہ سنی جاوے گی اور کہا جاوے گا کہ میں آپ سے فی الحال اس نوکری کے چھوڑنے کو نہیں کہتا مگر اتنا تو کیجئے کہ اپنے کو گنہگار سمجھئے اور استغفار کیجئے اور یہ دعا کیجئے کہ اے اللہ مجھے اس سے نجات دیجئے۔ اور حلال نوکری کی تلاش میں رہئے اگر آپ حلال نوکری نہ ملنے کی وجہ سے پھر بھی اس میں مبتلاء رہیں گے تو بھی کم سے کم اتنا تو فائدہ ہے کہ آپ دنیا کو ترجیح دینے والے تو نہ ہوں گے اور آپ کے اندر دنیا کی احبیت تو نہ ہوگی اب اس کے بعد ترجیح کا کیا عذر رہا' اب سارے عذر ختم ہو گئے اور یہ بات ثابت ہوگئی کہ دینا کو ترجیح دنیا کسی وقت بھی جائز نہیں اور ایسے لوگ جن کو اتنا ضروری سامان بھی نہ ملتا ہو واقع میں بہت ہی کم ہیں ورنہ زیادہ تو ایسے ہی لوگ ہیں کہ ان کو ضرورت نہیں۔

اخراجات میں کمی کیجئے

میں نے ایک مُنصرم (۱) کو دیکھا ہے جن کی پچاس روپیہ تنخواہ لیکن کچہری ہمیشہ پیادہ جاتے اور لوگِ فِٹن میں (۲) جاتے تھے اور مدرسوں میں چندے اور رشتہ داروں کی تنخواہیں مقرر کر رکھی تھیں اور جب ان کی پنشن ہوئی تو اخراجات بھی آدھے کر دیئے اور جتنا مدرسوں اور رشتہ داروں کو دیتے تھے اس کو بھی آدھا کر دیا۔ آخر یہ بھی تو اپنی ضروریات تھوڑے میں انجام دیتے ہی تھے۔ باقی رہا فِٹن وغیرہ پر سوار ہونا تو یہ کون سی ضروریات سے ہے میں تو فِٹن کو فِٹن (۳) میں داخل

(۱) منیجر (۲) چار پہیّوں والی بگھی (۳) فتنوں میں۔

سمجھتا ہوں۔ اور اس قسم کی جتنی بھی چیزیں ہیں ان میں کوٹ کوٹ کر کبر اور رعونت(۱) بھری ہے وضع بھی ایسی سواری بھی ایسی غرض ہر سامان میں سے رعونت ٹپکتی ہے اور جو شخص چاہے اس کا احساس کرسکتا ہے جو لوگ ان کا استعمال کرتے ہیں ان کی حالت دیکھ لیجئے کہ ان کے اندر کیسی رعونت آجاتی ہے۔

فیشن کی چیزوں میں خودغرضی ہے

اس رعونت پر ایک قصہ یاد آگیا ایک شخص ولایت سے پڑھ کر آئے تھے وہ جب اپنے ابّا جان سے ملے تو کہتے ہیں ''ویل بڈھا تم اچھا ہے'' پھر ایک تیسری بات اور بھی ہے کہ یہ فعل ہمدردی کے بھی خلاف ہے۔ نئی فیشن کی جتنی چیزیں ہیں اکثر اسی قسم کی ہیں کہ ان سے خود ہی منتفع (۲) ہوسکتا ہے۔ دوسرے کو اس کا نفع نہیں ہوتا' چار پائی اور کرسی ہی کا فرق دیکھ لیجئے کہ چار پائی تو ایسی چیز ہے کہ اس پر اگر ایک جماعت بیٹھی ہو اور ایک آدمی اور آجائے اُس میں اس کی بھی گنجائش نکل آئے گی اور ایک کرسی ہے کہ اس میں اپنے ساتھ ایک کو بھی نہیں بٹھا سکتے۔ اسی طرح عمامہ کہ اگر ہم چاہیں تو پھاڑ کر ایک حصہ اس میں سے اپنے بھائی کو دیدیں مگر آپ گلوبند میں سے تو پھاڑ کر دیدیجئے۔ غرض نئے فیشن کی اکثر چیزیں وہ ہیں کہ ان میں سراسر خودغرضی ہے تو خلاف ہمدردی ہی سمجھ کر چھوڑ دیجئے یا اگر بالکل نہ چھوڑ دیں تو کم ہی کردیجئے اور اگر یہ بھی نہ ہوسکے تو کم از کم بُرا ہی سمجھ لیجئے غرض کہ ان چیزوں میں بہت سے مفاسد ہیں اور سب سے بڑا مفسدہ یہ ہے کہ اخراجات بڑھتے ہیں۔ پس یہ تو ان کا بیان تھا کہ دنیا و دین میں تعارض ہونے کے وقت کیا برتاؤ کرنا چاہئے اور اسی طرح جاہ میں بھی معمول رکھنا چاہئے کہ جو صورتیں جاہ کی خلاف شریعت ہیں ان سے بچنا چاہئے۔

(۱) بڑائی (۲) خود فائدہ اٹھاتا ہے۔

صحبتِ نیک اور علمِ دین کی ضرورت

بس اب شکایت یہ ہے کہ بچنا در کنار اس کو بُرا بھی نہیں سمجھتے تو اس کے لئے دو چیزوں کی ضرورت ہوگی' ایک تو علم کی کیونکہ جب تک ان کی برائی کا علم نہ ہوگا تو اس وقت تک ان کو بُرا کیسے سمجھے گا۔ پس علم دین سیکھنا چاہیئے خواہ اردو ہی میں ہو اور ایک عمل اور ہمت کی اس پر تو عقلاً موقوف ہے اور ایک تیسری چیز کی ضرورت ہوگی اور وہ ضرورت عادی ہے گو عقلاً وہ موقوف علیہ نہیں ہے اور وہ اہل اللہ کی صحبت ہے کیونکہ جس ہمت کی ضرورت مذکور ہوئی ہے وہ ہمت اہل اللہ کی صحبت ہی سے پیدا ہوتی ہے' تو ضرورت اس کی بھی ہے کہ اہل اللہ کی صحبت میں جاوے پس علمِ دین بھی حاصل کیجئے اور اہل اللہ کی صحبت بھی اختیار کیجئے' اور میں یہ نہیں کہتا کہ سب ابوحنیفہؒ اور جنید بغدادیؒ ہو جاویں مگر ضروری علم دین تو حاصل کریں اور جب موقع ملتا جاوے اہل اللہ کی صحبت میں رہا کریں اس سے جذبات روحانی میں ایک قسم کی قوت پیدا ہوگی اس سے آپ اپنی پرانی حالت پر آنسو بہائیں گے اور اس کے جاتے رہنے سے آپ کو تأسف (۱) ہوگا اور اصلاح کی فکر ہوگی اور یہ بھی اللہ و رسول ﷺ کی احبیت ہے غرض جاہ ہو یا مال ہو ان کی احبیت نہ ہونی چاہیئے۔

احبیتِ دنیا پر وعید

اسی پر وعید فرماتے ہیں ﴿فَتَرَبَّصُوْا﴾ کہ منتظر رہو یہاں تک کہ کوئی وبال نازل ہو' اور اس کا وبال دنیا میں تو یہ نازل ہوا کہ دنیا ہی سب سے اول برباد ہو رہی ہے چنانچہ دنیا کو کسی قدر طلب کرتے ہیں مگر وہی دنیا ہم سے چلی جا رہی ہے اور ہم تو

(۱) افسوس۔

کیا ہماری سلطنتوں کی بھی یہی حالت ہے کہ دین کے چھوڑنے کی بدولت ہے اور کیوں نہ ہو دین چیز ہی ایسی ہے کہ اس سے آخرت بھی درست ہوتی ہے اور دنیا میں بھی ترقی ہوتی ہے' دیکھئے شیخ سنوسی ایک افریقی بدو تھے جو دین کی حمایت کے لئے آئے تھے۔ اب اس کی بدولت صاحب سلطنت ہوگئے' اور ایک وہ اسلامی قاہر سلطنت ہے کہ دین کے چھوڑنے کی وجہ سے دبتی چلی جارہی ہے اور دین کا چھوڑنا اس سے زیادہ اور کیا ہوگا کہ میں نے سنا ہے کہ اس کی پارلیمنٹ میں ایک مرتبہ یہ گفتگو ہوئی کہ پارلیمنٹ کے ممبر ہر فرقہ سے ہونے چاہئیں تاکہ رعایا میں مساوات رہے پس جبکہ پارلیمنٹ کے اجزاء غیر مذہب کے لوگوں کو بتایا کہ جن پر خیر خواہی کا اطمینان بھی نہیں محض مساوات کے دعوے میں تو ہر ایسی سلطنت کو کیا عروج ہوسکتا ہے۔ بے شک شریعت مساوات سکھلاتی ہے مگر مطلق مساوات نہیں بلکہ اس کی ایک حد مقرر ہے۔

غیر مسلم کو کلیدی عہدہ نہ دیا جائے

حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ کا میر منشی ایک نصرانی تھا جب وہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ملنے آئے تو آپ نے فرمایا کہ تم نے یہ آیت نہیں پڑھی: ﴿لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَأْلُوْنَكُمْ خَبَالًا﴾(۱) یعنی غیر مذہب کے شخص کو اپنا ہم راز مت بناؤ وہ تم کو ضرر پہنچانے میں کمی نہیں کریں گے انہوں نے کہا وہ حساب خوب جانتا ہے اس لئے ایسا کیا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا کام اس پر منحصر ہے اگر وہ مرجاوے تو پھر کیا کروگے؟ آخر یمن میں جاکر دیکھا کہ وہ مرگیا تھا' کیوں نہ ہو کوئی ایسی ویسی زبان تھوڑا ہی تھی زبان تھی جس کی شان میں ہے (الحق ینطق علی لسان عمر رضی اللہ عنہ) ''حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زبان پر حق بات جاری ہوتی

(۱) سورۂ آلِ عمران: ۱۱۸۔

تھی، غرضکہ غیر مسلم کو ہمراز بنانے کی حق تعالیٰ نے ممانعت فرمائی ہے اور خود عقل بھی تو اس کی اجازت نہیں دیتی، چنانچہ دیکھئے کہ روز مرّہ کے معاملات میں کیا ہم پسند کرتے ہیں کہ اپنے راز پر غیر کو مطلع کریں ہرگز نہیں بعضے اوقات اپنے اسرار سے بیوی کو بھی مطلع نہیں کرتے۔

مسلمانوں کی دنیاوی ترقی کے طریقے

خلاصہ یہ ہے کہ انہوں نے دین کو چھوڑا اور اس کی ایسی برکت ہوئی کہ مدتوں بھی اس کا خمیازہ نہ بھولیں گے۔ واللہ لوگ سمجھتے تو یہ ہیں کہ دین کو چھوڑ کر ترقی ہوگی مگر خدا تعالیٰ دکھلا دیتے ہیں کہ وہ بھی حاصل نہ ہوا جس کے لئے انہوں نے دین کو چھوڑا سو اس قاہر سلطنت (۱) کی تو دین کے چھوڑنے سے ایسی تباہی ہوئی اور ان بدوی کو دیکھئے جو دین کی حمایت کو آئے تھے کہ وہ صاحبِ سلطنت ہو گئے اور یہ زندہ نظیریں ہیں اس امر کی کہ طالبِ دین ہر طرح کی ترقی کر سکتا ہے اور الحمد للہ کہ اب اس کو عقلاً مان بھی گئے ہیں لہذا تطویل (۲) کی ضرورت نہیں پس احبیت دین کی اعتقاداً تو ہر شخص کے لئے ضروری ہے اور اگر ممکن ہو تو عقلاً بھی ورنہ تأسفاً ہی سہی خلاصہ یہ ہے کہ دنیا کو چھوڑے اور اگر مجبوری کے سبب نہ چھوڑ سکیں تو بُرا تو کہئے یہ ہے فیصلہ اس کا۔

تفسیری نکات

اب میں اصل مقصود تو عرض کر چکا ہوں صرف آیت کے بعض اجزء کا حل رہ گیا ہے وہ بھی عرض کرتا ہوں کہ مال کے قصہ میں تو منافقین کے اس اقوال کے جواب کے ختم میں: ﴿لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا﴾

(۱) زبردست سلطنت (۲) زیادہ لمبی بات کرنے کی ضرورت نہیں۔۔

''یعنی جو لوگ رسول ﷺ کے پاس جمع ہیں ان پر مت خرچ کرو یہاں تک کہ وہ آپ منتشر ہو جائیں گے'' ﴿لَا یَفْقَهُوْنَ﴾ ''وہ سمجھتے نہیں ہیں'' فرمایا اور آگے جاہ کے قصہ میں ان کے جواب کے خاتمہ میں ﴿لَا یَعْلَمُوْنَ﴾ ''وہ جانتے نہیں ہیں'' فرمایا اس میں نکتہ ہے کہ فقہ خاص ہے علم سے فقہ تو خاص ہے امور خفیہ کے ساتھ اور علم عام ہے جلی کے لئے بھی پس اب اس کی وجہ سمجھ میں آ گئی ہوگی کیونکہ مال کے قصہ میں ارشاد فرمایا ہے: ﴿وَلِلّٰهِ خَزَائِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ ''یعنی آسمان اور زمین کے تمام خزانے خدا تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہیں'' سو اس کے لئے تو سمجھ کی ضرورت ہے کیونکہ بظاہر وہ ہمارے ہاتھوں میں ہے پس یہاں تامّل کرنے (۱) کی ضرورت ہے کہ آخر ہمارے ہاتھوں میں ہونے کے اسباب کس کے ہاتھ میں ہیں پس چونکہ یہ ذرا خفی اور استدلال کا محتاج تھا اس لئے یہاں ﴿لَا یَفْقَهُوْنَ﴾ فرمایا اور جاہ کے قصہ میں ارشاد فرمایا ہے: ﴿وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ﴾ ''یعنی عزت اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ اور مومنین ہی کے لئے ہے'' اور یہ بالکل ظاہر تھا خدا تعالیٰ کے لئے عزت ہونا تو اس لئے کہ عالَم کے اندر جو تصرفات ہوتے ہیں وہ ایسے ہی کہ ہمارے اختیار میں نہیں مثلاً زلزلہ ہے اور بارش ہے اب اگر کہئے کہ یہ سب کچھ صورت نوعیہ کی وجہ سے ہوتا ہے تو یہ بالکل غلط ہے کیونکہ اس بات کو تو وہ خود ہی تسلیم کرتے ہیں کہ طبیعت اور نیچر ذی شعور (۲) نہیں۔

مسلمان اور اہل سائنس میں فرق

تو میں کہتا ہوں کہ طبیعت کو فاعل قرار دینے کی مثال ایسی ہوگی جیسے کہ دو شخصوں نے ایک خوبصورت گھڑی دیکھی اس پر تو دونوں کو اتفاق ہوا کہ اس کو کسی

(۱) غور کرنے کی (۲) طبیعت اور نیچر میں حس نہیں۔

نے بنایا ہے لیکن اس میں اختلاف ہوا کہ کس نے بنایا ہے ایک نے تو یہ کہا کہ ایک بالکل اندھے لُنجے لنگڑے بے شعور نے بنایا ہے اور ایک نے یہ کہا کہ کسی بڑے عقلمند اور کامل گھڑی ساز نے بنایا ہے تو ظاہر بات ہے کہ یہ دوسرا شخص حق کہتا ہے تو جیسا ان دونوں میں فرق ہے ایسے ہی مسلمان اور اہل سائنس میں فرق ہے کہ اہل اسلام تو ان تمام مصنوعات عجیبہ کا اللہ تعالیٰ کو فاعل کہتے ہیں اور اہلِ سائنس طبیعت کو جس کو کچھ شعور تک بھی نہیں وہ خدا کے قائل نہیں اور اگر وہ یہ کہیں کہ ہم خدا کے بھی قائل ہیں اور طبیعت کے بھی تو میں کہتا ہوں کہ جب خدا تعالیٰ کو فاعل مانتے ہیں تو اس کے ساتھ طبیعت کے فاعل ماننے کی ضرورت ہی نہیں ورنہ اس کی مثال ایسی ہوگی کہ کوئی کہے کہ اس گھڑی کو ایک کامل اور ایک اندھے نے مل کر بنایا ہے تو اس احمق سے کہا جاوے گا کہ کامل کے ساتھ اس اندھے کے ماننے کی ضرورت ہی کیا ہے پس ایک شخص جمع نہیں کرسکتا خدا اور سائنس کو پس خدا کا غلبہ تو اس سے ثابت ہوگیا اور حضور ﷺ کا غلبہ حضور ﷺ کے واقعات سے ظاہر ہے۔

مسلمانوں کے غالب ہونے کی شرط

باقی ﴿وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ یعنی مومنین کا غلبہ تو اس کا جب چاہے تجربہ کرلیجئے کہ جتنا ایمان ہوگا اتنی ہی عزت بھی ہوگی، چنانچہ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اس کا نمونہ ہیں۔ ان کے ایمان کی حالت تو یہ تھی کہ حق تعالیٰ ان کے حق میں ارشاد فرماتے ہیں: ﴿اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ﴾[1] ''یعنی یہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر ہم ان کو دنیا میں حکومت دیدیں تو یہ لوگ نماز کی پابندی کریں'' اور ان کے غلبہ کی یہ حالت تھی کہ تمام قومیں اس کی قائل ہیں کہ ان کے برابر کوئی قوم ترقی یافتہ نہیں

(۱) سورۂ حج: ۴۱۔

ہوئی اور اگر آپ یہ کہیں کہ یہ نمونے بہت پرانے ہوگئے ہیں تو اب بھی دیکھ لیجئے کہ جو مسلمان اپنی اصلی حالت پر باقی ہیں ان کی کتنی عزت ہے خیر خواہان ترقی کی نگاہ میں بھی وہ مخفی نہیں ہے اور وجہ یہ ہے کہ اصل تو خدا کی عزت ہے پھر جو لوگ ان کے ساتھ وابستہ ہونگے ان کی بھی عزت ضرور ہوگی ہاں اگر کسی کو خدا ہی کی عزت کی خبر نہ ہو تو دوسری بات ہے۔

تو خلاصہ یہ ہوا کہ ''مالك الاموال'' ہونا چونکہ کسی قدر مخفی تھا اس لئے وہاں ﴿لَا یَفْقَهُوْنَ﴾ ''وہ سمجھتے نہیں'' فرمایا' اور صاحبِ عزت ہونا ظاہر تھا اس لئے وہاں ﴿لَا یَعْلَمُوْنَ﴾ ''وہ جانتے نہیں'' فرمایا۔

مال اور جاہ کی غرض

نیز اس سے ایک اور مسئلہ ثابت ہوا کہ مال تو اس واسطے ہے کہ اس سے انتفاع حاصل کیا جاوے اور جاہ اس واسطے ہے کہ اس کے ذریعہ سے اپنے کو ضرر سے بچایا جاوے نہ اس لئے کہ اس کے ذریعہ سے لوگوں پر دباؤ ڈال کر انتفاع حاصل کیا جاوے اول کی تو یہ دلیل ہے کہ جب منافقین نے کہا کہ مسلمانوں پر خرچ مت کرو تا کہ جب کھانے کو نہ ملے گا خود منتشر ہو جاویں گے تو اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ رد فرمایا کہ خزائن کے مالک تو ہم ہیں تم اپنے مالوں سے ان کو منتفع (۱) نہ کرو گے تو ہم اپنے خزائن سے ان کو دیں گے تا کہ وہ اس سے منتفع ہوں (۲) اس سے معلوم ہوگیا کہ مال انتفاع کے لئے ہے اور دوسرے جزو کی یہ دلیل ہے کہ منافقین نے اپنے جاہ سے مسلمانوں کو ضرر پہنچانا چاہا تھا تو حق تعالیٰ نے اس پر رد فرمایا کہ عزت تو اللہ اور رسول اللہ ﷺ اور مومنین کے لئے ہے یعنی چونکہ ہم نے ان کو جاہ عنایت کی ہے اس

(۱) فائدہ نہیں پہنچاؤ گے (۲) فائدہ اٹھائیں۔

لئے تم ان کو ضرر نہیں پہنچا سکتے مومنین اس جاہ سے تمہارے ضرر کو رفع کر دیں گے اس سے ثابت ہو گیا کہ جاہ دفع ضرر کے لئے ہے۔

خلاصۂ وعظ

اب میں بیان کو ختم کرنا چاہتا ہوں اس لئے جو مضمون بیان سے مقصود تھا اس کا اعادہ پھر کئے دیتا ہوں کہ اس آیت میں یہ بات بتلائی گئی ہے کہ مال اور جاہ تو مذموم نہیں لیکن اگر ناجائز طور پر ان کا استعمال ہو تو مذموم ہیں بس جو لوگ مال اور جاہ کو علی الاطلاق مذموم (۱) کہتے ہیں ان کو چاہیئے کہ اس میں وہ یہ قید لگا دیں جو لوگ علی الاطلاق اچھا کہتے ہیں وہ سوءِ استعمال (۲) کی صورت کو مستثنیٰ کریں۔ یہ تو تحقیق علمی تھی مگر چونکہ مقصود عمل ہے اس لئے اب طرزِ عمل کو سُننا چاہیئے کہ جہاں دین و دنیا میں تعارض نہ ہو وہاں خوب کمائے اور جہاں تعارض ہو وہاں قدر ضرورت سے زیادہ کو چھوڑے اور جہاں یہ بھی نہ ہو سکے وہاں تأسف (۳) کرے۔ پس اب آپس میں اختلاف بھی نہ رہے گا نہ گناہوں کے پوٹ جمع ہوں گے۔

اب میں اپنے بیان کو ختم کرتا ہوں، حق تعالیٰ سے دعا فرمائیے کہ عمل کی توفیق اور دین کی احبیت عطا فرمائے وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہٖ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین۔

تَتِمَّہ

اور فرمایا کہ اول آیت میں ﴿لِلّٰہِ خَزَائِنُ السَّمٰوَاتِ﴾ ''اللہ تعالیٰ ہی کے خزانے آسمانوں کے'' فرما کر اموال کو اپنے ساتھ خاص فرمایا اور آیت ثانی میں عزت کو رسول اللہ ﷺ اور مومنین کے لئے بھی ثابت فرمایا اس میں اس طرف

(۱) مال و جاہ کو مطلقاً برا کہتے ہیں (۲) برے استعمال کی صورت کو اس میں سے نکال دیں (۳) افسوس کرے۔

اشارہ ہے کہ مسلمانوں کا مالدار ہونا تو لازمی امر نہیں گو اتنا مال ہر ایک کو ملے گا جس سے اپنی ضروریات پوری کر سکیں اور اس قدر ملنا یہ بھی خود اسی آیت سے معلوم ہوتا ہے کیونکہ مقصود رد کا یہ ہے کہ انفضاض (۱) نہ ہوگا۔ اور یہ اس وقت ممکن ہے کہ حاجات مرتفع (۲) ہوتی رہیں ورنہ ان منافقین کا مقصود حاصل ہوجاتا اور صاحبِ عزت ہونا کامل مسلمان کا لازمی امر ہے فقط (۳)۔

---

(۱) منتشر ہونا نہ ہوگا (۲) حاجتیں پوری ہوتی رہیں (۳) جو آدمی کامل مسلمان ہوگا وہ یقیناً باعث عزت ہوگا۔

فقط خلیل احمد تھانوی

۱۶ اپریل ۲۰۰۸ء